

نام کتاب = المرجفون فی الصلوٰۃ
مصنف = عبدالکریم اثری
طابع = مرزا نصیری گجرات
= مطبع
ایڈیشن = اوّل
تاریخ اشاعت = 27/ نومبر 2011ء
تعداد = 2200
اشاعت فنڈ = 60 روپے

جہاں سے چاہیں منگائیں

0333-8406422 مکتبہ الاثریہ جناح اسٹریٹ گجرات
0344-6532653 - 0546-593213 انجمن اشاعت اسلام ٹھٹھہ عالیہ
042-7321865 نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-7235951 مکتبہ اخوت مچھلی منڈی اردو بازار لاہور
0333-5154969 - 051-5531396 محمد امتیاز عثمانی راولپنڈی
021-2631268 قیوم بک ڈپو اردو بازار کراچی
021-4912806 ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی

لَسْنٌ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
وَالْمُرْجَفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ (٦٠:٣٣)

”اگر منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض موجود ہے اور مدینہ میں
جھوٹی افواہیں اڑانے والے باز نہ آئے تو ضرور ہم تم کو ان کے پیچھے لگا
دیں گے پھر وہ آپ کے پاس اس شہر میں تھوڑے ہی دن رہ سکیں گے۔“

الْمُرْجَفُونَ فِي الصَّلَاةِ

﴿یعنی﴾

(مروجہ) نماز اسلام کے متعلق افواہیں اڑانے والے

﴿تعاون﴾

مرزا نصیری

053-3523458

0300-6273933

﴿مصنف﴾

عبدالکریم اثری

﴿شائع کردہ﴾

انجمن اشاعت اسلام (رجسٹرڈ) ٹھٹھہ عالیہ براستہ جوکالیاں منڈی بہاؤ الدین

Ph: 0301-6296850, 0346628669

Internet Edition Compiled by: Rana Ammar Mazhar

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ نمبر |
|-----------|--|-----------|
| 25 | کیا ایک فرد صلوٰۃ ادا نہیں کر سکتا؟ | 21 |
| 26 | کیا کوئی فرد واحد بھی ایک نظام چلا سکتا ہے؟ | 22 |
| 27 | صلوٰۃ کے معنوں کی وسعت سے انکار نہیں | // |
| 28 | کیا ”صلوٰۃ“ کو ”نماز“ کہنا غلط ہے؟ | 23 |
| 29 | اہل اہواء کا طریقہ کار قرآن کریم کے ساتھ | // |
| 30 | موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعلق | 24 |
| 31 | بات کو بدلنا کیسا ہوتا ہے، سب پر عیاں ہے | 25 |
| 32 | اپنی خرابیوں کو خوبیاں سمجھنے والے کیا کرتے ہیں؟ | 26 |
| 33 | وہ جماعت جو اکیلا انسان بھی ادا کر سکتا ہے جب جماعت میسر نہ ہو | // |
| 34 | کیا اس نماز سے میٹنگ مراد لی جاسکتی ہے | 27 |
| 35 | بوہیو صاحب خوف زدہ کیوں ہیں؟ | 28 |
| 36 | بوہیو صاحب کا ”مسجد“ سے اقرار اور فرار | // |
| 37 | بوہیو صاحب کی آئیں، بائیں شائیں اور مسجد کے تصور کی وضاحت | 29 |
| 38 | لفظ ”مسجد“ اور قرآن کریم | // |
| 39 | مسجد کی حاضری عبادت کے لیے اور زیب وزینت | 30 |
| 40 | مشرکین مکہ کی صلوٰۃ بیت اللہ کے قریب | 31 |
| 41 | قرآن کریم اور ”المسجد“ کا بیان شروع ہوتا ہے | // |
| 42 | صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے قبلہ رو ہونا لازم ہے | 32 |
| 43 | مسجد الحرام کے احترام کا طریقہ اسلام میں | 33 |
| 44 | تمتع حج اور قربانی یعنی جانور کا ذبیحہ | // |
| 45 | قربانی نہ کرنے والے دس روزے رکھ لیں لیکن کون؟ | // |
| 46 | کسی قوم کی دشمنی مسجد حرام سے روکنے کا باعث نہ ہو | 34 |
| 47 | عذاب الہی کے مستحق کون؟ | // |
| 48 | شرک ناپاکی ہے اور مشرکین ناپاک ہیں | 35 |
| 49 | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی صداقت | 36 |
| 50 | ”مسجد“ ضرار“ کس کو کہا گیا اور کیوں؟ نیز ”مسجد“ کا لفظ قرآن کریم میں | 37 |
| 51 | آپ کی ہجرت سے قبل مدینہ کی حالت | // |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر |
|-----------|--|-----------|
| 52 | مسجد ضرار کے انہدام کا حکم اور اس پر عمل | 38 |
| 53 | تعمیر مساجد کی موجودہ حالت پر افسوس آخر کیوں؟ | 39 |
| 54 | خانقاہوں پر مسجدیں بنانے کا رواج | // |
| 55 | ”مساجد“ کا لفظ قرآن کریم میں چار بار موجود ہے | 40 |
| 56 | مسجدیں آباد کرنے کا حق کن لوگوں کو ہے؟ | // |
| 57 | اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی مدد و نصرت فرماتا ہے | 41 |
| 58 | ”المساجد“ کے الفاظ قرآن کریم میں صرف دو بار | // |
| 59 | مساجد کیوں تعمیر کی جاتی ہیں؟ محض اللہ کے ذکر کے لیے | 42 |
| 60 | ”صلوٰۃ“ کا تعلق ”مسجد“ کے ساتھ، کیوں؟ | // |
| 61 | صلوٰۃ کے بنیادی ارکان | 43 |
| 62 | ”صلوٰۃ“ معلوم ہوگی تو قصر کا پتہ چلے گا | // |
| 63 | نماز کتنی ضروری ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ | 44 |
| 64 | خواہ تو کون ہے، صلوٰۃ یعنی نماز کے انکار سے باز آ | // |
| 65 | عرف عام میں نماز کیا ہے اور کیوں ہے؟ | 45 |
| 66 | نماز ادا کرنے کے اوقات کا ذکر قرآن کریم میں | // |
| 67 | صلوٰۃ کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی سے | 46 |
| 68 | کاش کہ وہ حقیقت صلوٰۃ کو سمجھیں | 47 |
| 69 | آخرت کا یقین کسی کے دل میں نہیں رہا | // |
| 70 | دین اسلام کے ساتھ استہزاء کتنی بری بات ہے | 48 |
| 71 | اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق کون ہیں؟ | // |
| 72 | دین کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ | 49 |
| 73 | مناقضین کی نماز محض دکھاوا ہے | // |
| 74 | مردہ نماز کے ساتھ مسلمانوں نے کیا کیا؟ | 50 |
| 75 | صلوٰۃ موقت کو ضائع کرنے والے کون ہیں؟ | 51 |
| 76 | نماز موقت سے انکار شرک ہے | // |
| 77 | قرآن صلوٰۃ کے انکار کو شرک سے تعبیر کرتا ہے | 52 |
| 78 | نماز میں کون سے ارکان ہیں، کسی سے مخفی نہیں | // |

پیش لفظ

المرجعون في الصلوة کی خدمت میں

اچھے بھلے پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں میں بھی یہ غلطی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص سازشی گروہ ہوتا ہے جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگتا ہے۔ باہر نکلتا ہے تو مسلمان بن جاتا ہے جب اکیلے میں ہوتا ہے تو اپنے اصل بھیس میں لوٹ آتا ہے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا کتاب و سنت کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے۔ یہ لوگ اسلام بطور اپنے دین و اعتقاد کے اُس طرح اختیار کرتے ہیں جس طرح دوسرے مسلمان جیسا کہ سورہ التوبہ کی آیت ۷۴ میں ارشادِ الہی ہے کہ:

وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (۷۴:۹) ”اور وہ اسلام لانے کے بعد پھر کفر کی باتیں کرتے ہیں“ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، ان کی بیویاں انہیں مسلمان سمجھتی ہیں، ان کی اولاد اُن کو مسلمان سمجھتی ہے۔ ان کے گھر کا ہر فرد، ان کا جاننے والا ہر آدمی یقین کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں وہ اسلام کے بعض ارکان یا قاعدگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور بعض میں سستی کا شکار ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اب ان کو کوئی اس انداز سے پوچھنے والا نہیں، مسلمانوں کی اکثریت محض ارکان اسلام کا اقرار کرتی ہے لیکن عملی طور پر ان کے متعلق سستی کا شکار ہے۔ اندریں وجہ قبل ازیں اُن کے حوصلے پست تھے لیکن اس وقت ان کے حوصلے بلند ہیں۔

مختصر یہ کہ جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے، کوئی بات ایسی نہیں جو بظاہر ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو لیکن اس کے باوجود کتاب اللہ نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا ہے لیکن ان کے حلق کے نیچے یہ نہیں اترتا اور نہ انہوں نے اترنے دیا ہے۔ کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو روح پیدا ہوتی ہے اس سے وہ یک قلم محروم ہیں۔ اخلاص اور صداقت کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں، وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں مگر

| صفحہ نمبر | مضمون | نمبر شمار |
|-----------|--|-----------|
| 53 | ارکان نماز کا ذکر قرآن کریم میں | 79 |
| // | فرد واحد کی نماز کی طرف اشارات | 80 |
| 54 | جماعت سے مل کر نماز ادا کرنے کے آداب و احکام | 81 |
| 55 | ارکان نماز میں قیام کے بعد رکوع اور سجود کا ذکر | 82 |
| // | سجدہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے ایک سے زیادہ معنی ہیں | 83 |
| // | ”اہل اہواء“ اپنی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں | 84 |
| 56 | معروف نماز کے ادا کرنے کا طریقہ قرآن کریم میں | 85 |
| 57 | صاحب علم وہی ہو سکتے ہیں جو علم و فکر کی بات کریں | 86 |
| // | اعتراض کرنے والوں کی اصل حقیقت اور وہم | 87 |
| 58 | قرآن کریم لفظوں کی طرف نہیں بلکہ معنوں کی طرف اشارہ دیتا ہے | 88 |
| // | اوپر مثال سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے اگر کوئی سمجھنا چاہے | 89 |
| 59 | قارئین سے التماس کہ وہ بات کو سمجھیں | 90 |
| 60 | قرآن کریم نے اس صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے جو متعارف ہے | 91 |
| // | صلوٰۃ کی حقیقی روح پہلے ہی ختم ہو چکی ہے | 92 |
| 61 | مروجہ موقت صلوٰۃ اسلام کی معاشرتی زندگی کا حسن ہے | 93 |
| // | حالاتِ زمانہ کا تغیر و تبدل ایک فطری عمل ہے | 94 |
| 62 | لا ریب کفر بری چیز ہے لیکن اتنی بری نہیں جتنی منافقت | 95 |
| // | تمام انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یا کیا جاسکتا ہے؟ | 96 |
| 63 | انسانوں کے ان تینوں گروہوں کا مختصر تجزیہ | 97 |
| 64 | دوستوں کے لیے انتخاب اور بارگاہ رب کریم میں آخری مناجات | 98 |

ارقم کمپوزنگ سنٹر جامعہ اشاعت اسلام ٹھٹھہ عالیہ

Ph: 0344-6532653

اس لیے نہیں کہ اس کے مطابق عمل کریں بلکہ اس لیے کہ محض سنتے رہیں۔ ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق ہے اسلام کے جو احکام ان کی شخصی اغراض کے خلاف ہوتے ہیں ان کو بالکل قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے لیے طرح طرح کی تاویلات کرتے ہیں لیکن جو احکام ان کی شخصی اغراض کے خلاف نہ ہوں ان پر خوشی خوشی عمل کرتے ہیں۔ دین اسلام کی طرف سے جو خوشحالیاں آئیں تو وہ سب سے بڑھ کر مسلمان ہیں لیکن اگر دین اسلام کے لیے کوئی قربانی دینا پڑے خواہ وہ قربانی مالی ہو، جسمانی ہو یا توئی تو ان کے قدم رک جاتے ہیں اور زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ اتفاق فی سبیل اللہ کا حکم ان کے لیے موت کا پیغام ہوتا ہے۔ نماز کا ذکر آئے تو طرح طرح سے تاویلیں کرتے ہیں اور ایسے ایسے شگوفے چھوڑتے ہیں کہ ان کے حواری سن کر سر دھنتے ہیں۔ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ وہ اپنے تعلقات درست رکھنا چاہتے ہیں اور دونوں اطراف یعنی کفر اور اسلام میں مل جل کر رہنے کو مصلحت قرار دیتے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں ایسے لوگوں کی مروجہ موقت صلوٰۃ اسلام کے خلاف سازش کا ذکر کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ محض قرآن کریم کا نام استعمال کر کے اپنی خواہشات نفس کی تکمیل چاہتے ہیں اور عملی طور پر کمزور مسلمانوں کو سازش کے تحت ارکان اسلام سے مکمل طور پر دور کر دینا چاہتے ہیں۔ خصوصاً نماز جو دین اسلام کا ایک اہم ستون ہے اُس کو منہدم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان اس وقت عملی طور پر اس کمزوری میں مبتلا ہیں اس لیے وہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن یہ ان کی بھول ہے اور اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے لیکن اس حقیقت کو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم نے دوا کے طور پر یہ چھوٹی سی کتاب ان کے سامنے پیش کی ہے اور دُعا کے لیے اللہ رب کریم سے مانگی ہیں کہ وہ ایسے تمام ایمان کے کچے لوگوں کو پختہ ایمان کی توفیق بخشے اور کمزور عمل مسلمانوں کی اس کمزوری کو دور فرما کر نماز جیسے دین کے اہم رکن کو قائم کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ اللھم آمین، ثم آمین۔

عبدالکریم اثری

23/ نومبر 2011ء

لفظ ”صلوٰۃ“ اور اہل زبان

دنیا میں جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں ان تمام زبانوں میں صرف اور صرف عربی زبان کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس میں جتنے الفاظ بولے جاتے ہیں اُن کی کوئی نہ کوئی اصل اور حقیقت موجود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح دنیا کی ہر ایک چیز کے لیے بیسوں الفاظ، یعنی نام بھی بولے جاتے ہیں اور ہر ایک کی کوئی وجہ تسمیہ بھی ضرور ہوتی ہے جو سب میں مشترک ہوتی ہے

رسول اور قوم کا تعلق

قرآن کریم اللہ رب کریم کا اپنے بندوں کے نام آخری پیغام ہے۔ اس کی زبان عربی ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جس نبی و رسول یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ نازل ہوا اُس کی مادری زبان عربی تھی اور اس کے مخاطبین اول بھی عربی زبان بولنے والے تھے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی جاری رہی کہ جس نبی و رسول کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا اُس کی مادری زبان ہی میں اُس کو مخاطب کیا تا کہ جو پیغام اس کو دیا گیا وہ اپنی امت کے لوگوں تک آسانی سے پہنچا سکے اور لوگ اُس کے پیغام کو سن کر سمجھ سکیں چنانچہ قرآن کریم ہی میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۴:۱۴) ”اور ہم نے کوئی نبی و رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ وہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام حق پہنچانے والا تھا تا کہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے۔“

مثال سے اس کی وضاحت

مثلاً انسانی جسم میں ایک عضو ہے جس کو ہم اپنی اردو زبان میں ”آنکھ“ کہتے ہیں اور پنجابی زبان میں ”اکھ“ استعمال کرتے ہیں انگریزی میں اس عضو کا نام (Eye) ہے اور فارسی زبان بولنے والے اس کو ”چشم“ کے نام سے ادا کرتے ہیں اور عربی زبان میں اس عضو کو ”عین“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ”آنکھ“ بولنے والے ”اکھ“ کہنے والے اور (Eye) کے نام سے موسوم کرنے والے اس کو ایسا کیوں کہتے

ہیں کسی کو کچھ علم نہیں لیکن عربی زبان واضح کرتی ہے کہ دراصل ”عین“ اُس چشمہ کو کہتے ہیں جہاں سے خود بخود پانی نکل آتا ہے اور چونکہ انسان کے اس عضو یعنی آنکھ سے بھی کبھی کبھی خود بخود پانی نکل آتا ہے لہذا اندریں وجہ انہوں نے اس کو ”عین“ کہا ہے۔ اب ”عین“ یعنی اس مادہ ”ع ی ن“ سے چاہے بیسیوں الفاظ بنائے گئے ہوں اور چاہے ”عین“ کا لفظ بھی بیسیوں معنوں میں استعمال ہوتا ہو ان میں سے ایک لفظ سے مراد انسان کا یہ عضو خاص بھی شامل ہے جس کو ہماری زبان میں ”آنکھ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب لفظ ”عین“ کا استعمال ہوگا تو وہ جملہ خود اس کی وضاحت کر دے گا کہ اس جگہ اس ”عین“ سے مراد انسان کا وہ عضو ہے جس کو ”آنکھ“ کہتے ہیں یا کچھ اور مراد ہے۔ اس مثال سے آپ تمام الفاظ کی حقیقت کو سمجھ لیں کہ عربی زبان میں جو لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اُس ”لفظ“ کو اس ”لفظ“ سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے یا بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس لفظ کے ”مادہ“ یعنی اصل میں اس کا ایسا مفہوم پایا جاتا ہے۔

عربی زبان اور صلوة

عربی زبان میں ایک لفظ ”صلوة“ بھی بولا جاتا ہے جس کا استعمال بھی بہت زیادہ ہے اور اس کا اصل مادہ ”صل و“ یا ”صل ی“ ہے۔ اس مادہ کے بیسیوں الفاظ عربی زبان میں بولے جاتے ہیں جن میں سے ”صلوة“ کے ایک معنی اُس عبادت کے بھی ہیں جو مسلمان پانچ وقت ایک خاص طرز و طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ یہ ”صلوة“ عبادت خاص کے مفہوم میں نبی اعظم و آخر ﷺ کی بعثت سے بھی پہلے لوگ ادا کرتے چلے آ رہے تھے چاہے اُن کے ادا کرنے کے طور طریقوں میں فرق پایا جاتا تھا تاہم لوگ اللہ کی عبادت کے طور پر اس کا استعمال کرتے تھے۔

اس مادہ کے اصل معنی ”کسی کے ساتھ چمٹے رہنے“ کے ہیں یا ”کسی کے پیچھے آنے“ کے ہیں چنانچہ اس کے بنیادی معنی ہر جگہ کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتے ہیں اس لیے چاہے یہ لفظ بیسیوں سے بھی متجاوز معنوں میں استعمال ہوتا ہو اس کے ایک معنی ”عبادت کے خاص طریقہ“ کے بھی موجود ہیں گے اور موجود ہیں۔ قرآن کریم نے زیادہ تر یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چاہے وہ انسانوں کی مخصوص عبادت کے لیے ہو یا تمام مخلوقات کی عبادت اُس سے مراد لی جائے خصوصاً تمام ذی روح مخلوق کی جو زندگی اور

موت سے تعبیر کی جاسکتی ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

الْم تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْخِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتْ ط كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٣:٢٣﴾ ”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی صلوة اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ کو علم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

جس طرح تمام مخلوق کی صلوة و تسبیح اللہ رب کریم نے ان کو سمجھا دی ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں ہیں اندریں وجہ وہ اپنی اپنی فطری صلوة و تسبیح ادا کر رہے ہیں اور ان کی اس صلوة و تسبیح سے ہمیں کوئی بحث نہیں کیونکہ ہم انسان ہیں اور پھر انسانوں میں خصوصاً یہ کہ مسلمان ہیں لہذا ان تمام مخلوقات سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہمیں اپنی مخصوص صلوة و تسبیح کی ضرورت ہے جس صلوة کو ادا کرنے کے لیے وضو، قبلہ، طہارت لباس، جگہ اور مخصوص اوقات کی ضرورت ہے جس صلوة کے ارکان قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ قرآن کریم نے لازم قرار دیئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات کے لیے یہ چیزیں لازم اور ضروری نہیں بتائی گئیں۔

اسلام میں مروجہ صلوة کا مفہوم بگاڑنے والے

ہاں اگر جناب غلام احمد پرویز صاحب، محمد علی رسولنگری صاحب، حشمت علی صاحب، مولوی عبداللہ صاحب اور عزیز اللہ بوہیو صاحب اور ان کے ہم زبان گھوڑوں، گدھوں، بلوں، پیلوں، چیلوں، گدھوں اور چوہوں چگاڈڑوں والی صلوة ادا کرنا چاہتے ہوں تو وہ اس کی تحقیق کرتے رہیں ہم اس بات کا اقرار کرنے کے باوجود کہ یہ تمام چیزیں اپنی اپنی صلوة و تسبیح ادا کرتی ہیں ان کی صلوة و تسبیح کے کھوج کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ہم اس کو لغت سے تلاش کر کر اس بے کار بحث میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں اور جب تک ان تمام چیزوں جیسی صلوة کی کہہ نہ معلوم نہ کر سکیں اُس وقت تک ”صلوة“ جیسے فریضہ کے قریب ہی نہ جائیں۔

ہم پورے وثوق اور ایمان و ایقان کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ جو لوگ بھی ان چیزوں کی صلوة و تسبیح میں مصروف رہے ہیں یا اس وقت مصروف ہیں وہ محض اپنے آپ کو اور دوسرے تمام لوگوں کو اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور نہیں

سمجھتے کہ دراصل وہ اپنے آپ کو دھوکا میں مبتلا کئے ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ رب کریم نے اپنے کلام لا ریب کے شروع میں فرمادیا کہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخٰدِعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۹:۲) ”کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود ہی دھوکے میں ہیں، اگرچہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔“

کیا خاص حیوان انسان اور عام حیوان میں کوئی فرق نہیں؟

اگر انسان اور دوسری تمام جاندار چیزوں میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا گیا ہے کوئی فرق نہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی صلوٰۃ و تسبیح میں بھی کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ جیسے ان تمام چیزوں کی صلوٰۃ و تسبیح میں کوئی فرق پایا جاتا ہے اتنا ہی انسان کی صلوٰۃ و تسبیح میں فرق ہونا چاہیے۔ جس طرح وہ تمام جاندار مکلف نہیں اسی طرح انسان بھی مکلف نہیں تو بلاشبہ انسان کی صلوٰۃ و تسبیح میں اتنا ہی فرق ہونا چاہیے جتنا ان کے درمیان ہے جس طرح یہ تمام جاندار نطق سے عاری ہیں اسی طرح انسان بھی نطق سے عاری ہے پھر بھی ان ہی کی صلوٰۃ و تسبیح پر قیاس کرنا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں انسان مکلف بھی ہے اور اللہ رب کریم نے اس کو نطق جیسی شاندار چیز سے بھی نوازا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی صلوٰۃ و تسبیح میں بھی ان دونوں چیزوں کو داخل ہونا لازم و ضروری ہے۔

کیا جانور بھی کسی دین کے مکلف ہیں؟

کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ ان جانداروں میں بھی آپس میں بحث و تمحیص ہوتی ہے اور دلائل کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کے رد کے لیے کتابیں طبع کرائی ہیں اور کتاب و سنت کو پیش نظر رکھ کر اپنے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی صلوٰۃ و تسبیح اور انسانوں کی صلوٰۃ و تسبیح میں یقیناً فرق پایا جاتا ہے اور اسی فرق کے پیش نظر مذکور شخصیات نے اس طرح کی بحثوں کو چھیڑا ہے اور وہ لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ یہ صلوٰۃ جو مساجد میں پانچ وقت باقاعدگی کے ساتھ مخصوص اوقات میں ادا کی جاتی ہے یہ انسانوں کی خود ساختہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا کہیں حکم نہیں دیا۔ دیکھو قرآن کریم جو اللہ نے مفصل اور مکمل ضابطہ حیات ہم کو دیا ہے اس میں نہ تو ان اوقات کا واضح طور پر ذکر ہے نہ ان کی تعداد کا اور نہ اس باقاعدہ ترتیب کا اور ارکان کا نہ ان تذکار کا جو صلوٰۃ میں پڑھے

جاتے ہیں اس صلوٰۃ کی کوئی حقیقت نہیں اس طرح اس کا باقاعدہ ادا کرنا مجوسیوں اور فلاں اور فلاں کی اتباع کرنا ہے۔ ان باتوں پر ہم ”اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ“ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ قرآن کریم اگر اس طرح سے ضابطہ حیات اور مفصل و مکمل کتاب ہے تو اس میں صرف لباس استعمال کرنے کا ذکر تو موجود ہے لیکن لباس کیسے بنایا جائے، کس چیز سے بنایا جائے اور کس طرح اس کی سلائی کی جائے کیسے اس کو دھویا جائے اور کیسے اس کو صاف و شفاف کیا جائے ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ جانوروں کو کھانے کا ذکر تو ہے لیکن ان سے کھال اتارنے اور ان کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور ان کو پکانے کا تو کوئی ذکر نہیں علیٰ ہذا القیاس اس طرح کی کوئی وضاحت بھی موجود نہیں کہ مکان کیسے بنائے جائیں، دکائیں کیسے سجائی جائیں اور ان میں خرید و فروخت کا سامان کیسے تیار کیا جائے اور پھر ان دکانوں پر لاکر فروخت کیا جائے۔

کیا شکاری جانوروں کے سکھانے کا طریقہ قرآن کریم میں موجود ہے؟

قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے کہ پالتو کتوں اور شکاری جانوروں کو اس طرح سکھاؤ جس طرح میں نے یعنی اللہ نے تم کو سکھایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا کہ:

يَسْتَلُوْنَكَ مَاذَا اٰحَلَّ لَهُمْ ط قُلْ اٰحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبٰتُ لَا وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوٰرِحِ مُكَلِّبِيْنَ تَعَلَّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمْتُمْ اللّٰهَ اٰح (۳:۵) ”لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ آپ کہہ دیجئے جتنی اچھی چیزیں ہیں سب حلال کر دی گئی ہیں اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لیے سدھار رکھے ہیں اور وہ طریقہ جیسا کچھ اللہ نے تمہیں سکھا دیا ہے انہیں سکھا دو، تو جو کچھ وہ شکار کر کے تمہارے لیے بچا رکھیں تم اسے بھی بے کھٹکے کھا سکتے ہو، مگر چاہئے کہ اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو کہ اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔“

قرآن کریم کو ”الحمد للہ“ سے لے کر ”والناس“ تک پڑھ جائیے کسی مقام پر آپ نہ تو ان جانوروں کی تفصیل دکھا سکتے ہیں جن کو شکار کے لیے سدھایا جاتا ہے اور نہ ہی اس طریقہ کی کوئی صورت آپ دکھا سکتے ہیں کہ ان کو کیسے سدھایا جائے اور نہ شکار کیسے جانے والے جانوروں کا کوئی ذکر موجود ہے کہ کن جانداروں کو وہ شکار کریں تو تم ان کو کھا سکتے ہو اور کن جانوروں کو نہیں کھا سکتے۔ کسی ایک چیز کی بھی قرآن کریم میں تفصیل و وضاحت نہ ہونے کے

باوجود یہ کہا جا رہا ہے کہ ”جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے تم ان جانوروں کو سکھا دو۔“

مکرمین صلوٰۃ سے پوچھنے کی بات

مذکورہ بزرگوں اور ان کے ہم خیال دوستوں سے پوچھیں کہ کیا قرآن کریم نے یہ غلط اعلان کیا ہے کہ اعلان تو کر دیا ہے لیکن کوئی طریقہ اس کا نہیں بتایا۔ حالانکہ ان میں سے بہت سی چیزیں وہ ہیں جو اللہ رب کریم نے انسان کے اندر تخلیقاً ودیعت کر دی ہیں اور بہت سی چیزوں کی تفہیم کے لیے رہنما بنا کر انسانوں کی تعلیم کے لیے رسول بھیجے ہیں اور ان کی طرف ”وحی“ کر کے ان کو بتایا اور سمجھایا گیا اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کی ان تمام چیزوں میں رہنمائی کی اور قرآن کریم ان راہنماؤں کے ذکر سے بھرپڑا ہے جبکہ تمام کا نہیں تو بعض کا نام بنام ذکر بھی کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا کہ اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوْحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ وَاَوْحَيْنَا اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَابِطِ وَعِيسَى وَاَيُوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسَلِيْمٰنَ وَاَتَيْنَا دَاوُدَ زُبُوْرًا وَاَرْسَلْنَا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَاَرْسَلْنَا لَمْ نَقْضُصْهُمْ عَلَيْكَ ط وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْمًا وَاَرْسَلْنَا مُشْرِيْنَ وَمُنْدِرِيْنَ لَنَلَّا يَكُوْنُ لِلنَّاسِ عَلٰى اللّٰهِ حُجَّةٌ مِّمَّا عَزٰىرْنَا حَكِيْمًا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ط (۳: ۱۶۳ تا ۱۶۵) ”اے پیغمبر اسلام ﷺ! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان نبیوں پر جو نوح کے بعد آئے وحی بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان پر بھی وحی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ اور اللہ کے وہ رسول جن کا حال ہم نے تمہیں سنایا اور وہ جن کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا جیسا کہ واقعہ میں کلام کرنا ہوتا ہے، یہ تمام رسول، خوشخبری دینے والے اور متنبہ کرنے والے تھے کہ ان کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے، جو وہ اللہ کے حضور پیش کر سکیں اور اللہ سب پر غالب اور حکمت رکھنے والا ہے۔“

محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا

ان تمام رسولوں کے بعد جب اللہ رب کریم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا تو خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ نے جو

طریقہ یعنی ”پریکٹیکل“ اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا وہ قیامت تک مہمہ ہو گیا۔ چونکہ آپ کا طریقہ وحی کے تابع تھا اگر اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی ہوتی تو آپ کو بذریعہ وحی اس کی وضاحت کر دی جاتی اور جس چیز کی وحی کے ذریعہ اطلاع نہ دی گئی وہ وہی طریقہ اسلام کا طریقہ قرار پا گیا جو آپ نے اپنے عمل سے کر کے لوگوں تک پہنچا دیا جس کو ”امت“ سنت کے نام سے یاد کرتی ہے اور کتاب کے ساتھ اس کو اس لیے جوڑ دیا گیا ہے کہ کتاب یعنی کتاب اللہ میں اگر ایک چیز کی مکمل وضاحت نہیں تو محض اس لیے کہ اس کی وضاحت عملاً ہو جائے پھر جہاں عملاً وضاحت کی ضرورت تھی ایسا نہیں کہ وہ آپ نے کر کے دکھانہ دی ہو گیا قرآن کریم نے اصول مقرر کر دیئے اور ان اصولوں کی وضاحت اور تشریح کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ موجود ہیں جو وضاحت عملاً آپ نے فرما دی اُس سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا وضاحت نہیں کر سکتا لہذا ہم کو وہیں سے حاصل کرنا ہے جو کچھ ان اصولوں کی وضاحت کے لیے حاصل کرنا ہے۔ نیز جو غمی چیزیں ہیں وہ زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان فطرتاً سمجھتے اور کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

صلوٰۃ سے قبل کی لازمی شرائط کا ذکر قرآن کریم میں

مثلاً صلوٰۃ کا معاملہ جو زیر بحث ہے اس کے لیے قرآن کریم نے جو اصول اور اشارات دیئے ہیں وہ اس طرح ارشاد فرمائے ہیں کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَاَمْسِكُوْا بُرُءُ وُسُوْمَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (۶: ۵) ”اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لیے آمادہ ہو تو چاہئے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لایا کرو اور سر کا مسح بھی کر لیا کرو نیز اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو، اگر نہانے کی حاجت ہو تو چاہئے کہ نہا دھو کر پاک و صاف ہو جاؤ“

صلوٰۃ ایک معروف و معلوم چیز ہے

بات واضح ہو گئی کہ ”صلوٰۃ“ کوئی معروف چیز ہے جو ”متعین اوقات“ میں ادا کی جاتی ہے اور جب اس کے ادا کرنے کا وقت آجائے تو اس کے ادا کرنے والوں کو یہ تمام کام جن کا ذکر اوپر قرآن کریم کی اس آیت میں کر دیا گیا ہے ان کو ان کے حدود کے اندر رہ کر ضرور کر لینا چاہیے اگر کوئی بات ان اصولوں میں سے رہ گئی تو وہ ”متعارف صلوٰۃ“ ادا

نہ ہوگی رہا ان چیزوں کے کرنے کا انداز تو رسول اللہ ﷺ نے عملاً کر کے دکھا دیا جو مسلسل ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہوتا چلا جاتا رہے گا۔

ارکان اسلام گزشتہ اقوام بھی بیچم موجود تھے

یہ صلوة ہو یا اسلام کے دوسرے ارکان گزشتہ قوموں میں موجود تھے لیکن دنیا کی تمام قوموں نے ان کی شکل و صورت بدل دی تھی جب ان کو قرآن کریم نے یاد دلایا تو انہوں نے قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور نبی اعظم و آخر ﷺ کو رسول ماننے سے انکار کر دیا تاکہ رہے بائیں نہ بچے بائیں لیکن جن لوگوں نے قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور آپ کو اللہ کا رسول مان لیا ان کی نسل در نسل گزرنے کے بعد اس بات کا خیال آیا کہ یہ تمام احکام تو گزشتہ اقوام کو بھی دیئے گئے تھے اس کے باوجود کہ وہ گزشتہ کتابوں اور نبیوں کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان ارکان کو ادا نہیں کرتے اور ان کے ادا نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی اپنی قوموں میں ان ہی ناموں سے موسوم ہوتے ہیں لہذا ہم بھی ان کا انکار کر دیں تو ہم بھی اپنی قوم میں اسی طرح معروف رہیں گے لہذا انہوں نے ان تمام ارکان کی ظاہری شکل و صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان الفاظ کو وہ معنی پہنانے کی بے کار کوشش کی اور اب بھی کرتے چلے آ رہے ہیں چونکہ وہ مسلمانوں میں من الحیث الاسم شامل ہو چکے ہیں اس لیے یہ نام استعمال کرنا ان کی مجبوری ہے اگر وہ اس کو چھوڑ بھی دیں تو دوسری اقوام عالم ان کو اسی نام سے موسوم کریں گی اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گی جو وہ مسلمانوں سے کر رہی ہیں۔

ارکان اسلام کی روح کو زندہ کرنے کی ضرورت

یہ بات تسلیم ہے کہ ارکان اسلام کی جو اصل روح تھی وہ ان ارکان سے نکال لی گئی ہے اور بلاشبہ یہ تمام ارکان اب مردہ ہو گئے ہیں لیکن یہ زندگی اور موت وہ نہیں جس کے بعد دوبارہ زندگی اس دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی بلکہ یہ وہ زندگی و موت ہے جس سے تو میں بار بار دوچار ہوتی رہتی ہیں، ہوتی آئی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ ارکان اسلام ”مردہ“ ہو گئے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمان قوم اربوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود مرگئی ہے اور قومی زندگی اس کو حاصل نہیں رہی جب کہ اس سے پہلے قوم مسلم زندہ تھی اور دوسری تمام اقوام عالم مردہ ہو گئی تھیں لیکن آج اس کا عکس ہم سب دیکھ رہے ہیں اس وقت ہمارا

فرض یہ نہیں کہ ہم ارکان اسلام ہی کا انکار کر دیں اور ان کی مردہ حالت کو بھی تسلیم نہ کریں تاکہ ہم کو دوبارہ ان کی زندگی کی طرف سوچنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے بلکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ان ارکان اسلام کو صحیح معنوں میں زندہ کریں تاکہ ہم زندہ قوم بن جائیں۔

مردہ ارکان اسلام میں روح پیدا کرنا ہے یا مردہ کو دفن کرنا ہے

ارکان اسلام کی جو ہیئت مقرر کی گئی ہے اس ہیئت کا انکار کرنا اسلام کو زندہ کرنا نہیں بلکہ مردہ کو دفن کرنے کے مترادف ہے تاکہ یہ کہیں دوبارہ زندہ نہ ہو جائے۔ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت ارکان اسلام کی طرف سے عموماً اور صلوة کی طرف سے خصوصاً غفلت میں مبتلا ہے اور جو صلوة ادا کرتے ہیں وہ بھی محض اسلام کی ایک رسم سمجھ کر ادا کر رہے ہیں اسلام کا اہم رکن سمجھ کر نہیں اس لیے میں نے اس کو ”مردہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کریم نے صلوة جیسی عبادت کا حاصل بے حیائیوں اور برائیوں سے باز آنا بتایا ہے گویا صلوة، صلوة ادا کرنے والوں کو تمام برے کاموں سے روکنے کا باعث ہوتی ہے اگر ایک شخص صلوة کو باقاعدہ ادا کرنے کا اہتمام بھی کرتا ہے اور برے کاموں سے بھی نہیں بچتا تو ظاہر ہے کہ اُس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ حقیقی طور پر صلوة کو ادا نہیں کرتا جس طرح صلوة ادا کرنے کا حق ہے اُس کا حق ادا نہیں کرتا چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٢٩:٢٥﴾

”اے پیغمبر اسلام! جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے اسے پڑھا کرو اور صلوة ادا کرو بلاشبہ صلوة بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے اور سب سے بڑی چیز یادِ الہی ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

صلوة برائیوں سے کیسے روکتی ہے؟

صلوة کا برائی سے روکنا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بزور بازو نہیں بلکہ صلوة کا حاصل یہ ہے کہ صلوة ادا کرنے والا برے کاموں سے رک جائے۔ یعنی جھوٹ برائی ہے چھوڑ دے، کم تولنا برائی ہے چھوڑ دے، دھوکا و فریب دینا برا کام ہے ترک کر دے، کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنا برا ہے اس کے قریب بھی نہ جائے، گویا صلوة، صلوة ادا کرنے والے کی پوری

زندگی کی اصلاح کی ذمہ دار ہے اور وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتی نظر آئے تو صلوٰۃ ادا کرنے والوں اور ادا نہ کرنے والوں میں اس طرح کا واضح فرق نظر آئے کہ وہ ایسے تمام کاموں سے مکمل طور پر اجتناب کریں جن کو اسلامی معاشرہ میں برائی تصور کیا جاتا ہے۔

کیا صلوٰۃ کے ادا کرنے کے لیے وضو لازم نہیں؟

اس صلوٰۃ کے ادا کرنے کے لیے قرآن کریم نے وضو لازم قرار دیا ہے اور وضو کے لیے جو لازم و ضروری چیزیں ہیں ان کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ انسان کا بدن، کپڑے یعنی لباس اور جگہ جہاں صلوٰۃ ادا کرنا ہے پاک و صاف ہوں اور اسی طرح صلوٰۃ ادا کرنے والے قبلہ رو کھڑے ہوں اور مکمل یک جہتی کے ساتھ سب کے سب کا منہ قبلہ کی طرف ہو گیا صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے وہ شرائط ہیں جو لازم و ضروری ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی رہ گئی تو وہ صلوٰۃ نہیں کہلائے گی چاہے اس کا جو نام بھی رکھیں۔

قرآن کریم کی صدا اور قرآن سے انکار

حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن، قرآن کا نام لیتے ہیں لیکن محض اس لیے کہ اگر قرآن کریم سے انکار کریں تو وہ اسلامی معاشرہ کے لوگ نہیں کہلا سکتے لہذا انہوں نے قرآن کریم سے کھلے الفاظ میں تو انکار نہ کیا لیکن قرآن کریم کے نام کی آڑ میں احکام اسلام سے انکار کرنا چاہتے ہیں بلکہ انکار کرتے ہیں لیکن اپنی بات کو واضح نہیں کرتے، اس پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ دوسرے تمام لوگوں نے اور خصوصاً ”اہل حدیث“ نے ان لوگوں کو ”اہل قرآن“ سمجھنا شروع کر دیا اور وہ اس نام سے معروف ہو گئے اور یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے مرزائیوں نے اپنے آپ کو ”احمدی“ کہنا شروع کر دیا اور ہمارے علمائے کرام نے پاکستان کے قانون میں ان کو ”احمدی“ غیر مسلم قرار دلوادیا اور اب ہر زبان پر ”احمدی“ غیر مسلم کے الفاظ عام بول چال میں بھی بولے جاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کی زبان میں تمام اہل اسلام کو احمدی کہا گیا ہے اور وہ احمدی ہیں دوسرے لفظوں میں جتنے محمدی کہلانے والے ہیں حقیقت میں قرآن کریم کی زبان میں وہ سب احمدی ہیں اور کسی بھی غیر مسلم کو احمدی نہیں کہا جاسکتا۔

صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے قبلہ رو ہونے کی شرط

صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے قرآن کریم کی زبان میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے اور اہل

اسلام کا قبلہ ”مسجد حرام“ یعنی بیت اللہ کو قرآن کریم نے قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ”اہل اسلام“ کو ”اہل قبلہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (۱۳۹:۲) ”اور آپ جہاں کہیں بھی ہو رخ انور اس طرف پھیر لو جس طرف مسجد حرام ہے اور یقین کر دیا ہے کہ آپ کے رب کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں۔“

نیز فرمایا کہ:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۝ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۝ (۱۵۰:۲) ”اور جہاں کہیں بھی تم ہو چاہئے کہ اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف کیا کرو تاکہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے۔“

”اہل اہوا“ اہل قرآن نہیں؟

اگر ”مصلی“ کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں جیسا کہ ”اہل اہوا“ بھی اس کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس پر زور دے کر ثابت کرتے ہیں کہ ”مصلی“ موقت صلوٰۃ ادا کرنے والے کو نہیں کہتے بلکہ پیچھے چلنے والے کو کہتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو تمام ”مصلین“ مل کر امام کے پیچھے پیچھے ہی تو چلتے ہیں اور وہ ایسا کر کے ثابت کرتے ہیں کہ ہم عملاً بھی پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور ویسے بھی تمام مسلمان آپس میں مل کر چلنے کے پابند ہیں اور اس حکم نے ان کو مل کر چلنے کی تلقین کی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب اہل دوزخ سے پوچھا جائے گا کہ تم کو ادھر کون لے آیا یعنی تم ادھر کیوں آ گئے تو وہ اس طرح جواب دیں گے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ ۝ فِي جَنَّتِ قَدْ يَتَسَاءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكْكُمْ فِي سَفَرٍ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَحْوُضٍ مَّعَ الْخَائِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِیَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتَّىٰ اَتْنَا الْبَقِيْنَ ۝ (۳۸:۷ تا ۴۷) ”ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن ہے، سوائے اصحاب یمین کے۔ وہ باغوں میں ہوں گے اور پوچھتے

ہوں گے مجرموں سے کہ تمکو کس بات نے دوزخ میں پہنچا دیا؟ وہ جواباً کہیں گے کہ ہم صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے ساتھ باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم جزا و سزا کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو اس یقینی بات سے سابقہ پیش آ گیا۔“

مجرم کون؟ اور جرم کیا؟

اگر ایمان اور دیانت کسی چیز کا نام ہے تو ذرا غور و فکر کریں کہ ان آیات میں ”مجرم“ کن لوگوں کو کہا گیا ہے اور ان کا ”جرم“ کیا تھا جس کا انہوں نے اقرار کیا ہے۔ اس ”جرم“ کی ”سزا“ ان کو کیا ملی تو بات تم پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ”صلوٰۃ“ کیا ہے اور اس کو ادا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

مختلف حوالے دے کر بتایا جاتا ہے کہ ”صلوٰۃ“ کے معنی ہیں ”احکامِ الہی سے وابستگی“ ”حدود اللہ کے اندر رہنا“ ”کتاب اللہ سے چمٹے رہنا“ ”ایک دوسرے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ کسی طرح کا فاصلہ نہ رہے“۔ ہم نہایت ادب و احترام سے کہتے ہیں کہ جناب ”صلوٰۃ“ کا وجود جو اسلام نے متعین کیا ہے جس میں وہ تمام شرطیں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر پیچھے کیا جا چکا ہے تسلیم کر لو اور اُس کو اُس کے اوقات پر ادا کرو اور اس کی ادائیگی سے یہ روح اُس صلوٰۃ کے جسم میں داخل کر دو جس کا تذکرہ آپ نے فرمایا ہے کیونکہ جس طرح جسم بغیر روح کے بے کار ہے بالکل اسی طرح روح بھی بغیر جسم کے بیکار ہے۔ اگر آپ نے اس جسم کو مردہ سمجھ کر دفن کر دیا تو پھر روح کا تصور خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ دوسروں کی صلوٰۃ بے روح ہے تو آپ اس صلوٰۃ کا انکار نہ کریں بلکہ اس میں اس کی روح کو داخل کریں تاکہ تمہاری صلوٰۃ زندہ و تابندہ ہو کر خود اپنا آپ دوسرے لوگوں سے منوالے معروف ہے کہ ”جادو وہ جو سر چڑھ بولے۔“

جو پہلے صلوٰۃ ادا کرنے کے قریب نہیں جاتے آپ ان کے ہم نوا نہ بنیں اور ان کے ساتھ عملاً اور ”روحاً“ مل کر اسلام کے اس اہم رکن کو ملیا میٹ کرنے کا باعث نہ بنیں اگر آپ نے یہی روش رکھی تو تم بھی ”حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے“ اور ڈوبنے والوں کے ساتھ تم بھی ڈوب جاؤ گے۔ اللہ رب کریم سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرات علمائے کرام اور عوام سے ایک جیسی اپیل

ہم عام لوگوں سے عموماً اور حضرات علمائے کرام سے خصوصاً عرض کریں گے کہ صلوٰۃ کو ادا نہ کرنے والوں اور سرے سے موقت صلوٰۃ کا انکار کرنے والوں اور اس طرح کی بحیثیت پیدا کرنے والوں کو ”اہل قرآن“ کے نام سے موسوم مت کریں بلکہ ان کا صحیح اور صفاتی نام ”اہل ابواء“ رکھیں اور اس نام سے ان کو موسوم کیا کریں اور یہی طریقہ مرزائیوں کے لیے اپنائیں ورنہ آپ بھی ایک نہ شد و شد کا مصداق ہو جائیں گے۔

قبل ازیں ہم عرض کر چکے ہیں کہ عربی زبان میں ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی پائے جاتے ہیں اور یہی صورت حال ”صلوٰۃ“ کی ہم کو تسلیم ہے اس کے معنی دُعاء، التَّجاء، تَسْبِيح و تحمید اور صفت و ثناء بیان کرنے کے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف اسلام میں جس چیز کو ”صلوٰۃ“ اور ”اقامت صلوٰۃ“ کہا جاتا ہے جو موقت اوقات میں ایک مخصوص طریقہ کے ساتھ اجتماعی اور انفرادی طور پر ادا کی جاتی ہے اُس کے وجود سے انکار کر دیا جائے اور گدھے کو شیر کی کھال پہنا کر شیر بنا دیا جائے اور حقیقی شیر کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے۔

کیا کیلا فرد صلوٰۃ ادا نہیں کر سکتا؟

ہم نے ایسے دوستوں سے اکثر سنا ہے وہ برملا کہتے ہیں کہ ”اقامت صلوٰۃ“ انفرادی طور پر ممکن نہیں کیونکہ اوقات صلوٰۃ ایک نظام کا نام ہے اور اکیلا آدمی کیا نظام بنائے گا اور اس پر کیسے عمل کرے گا۔ شاید ان کے حافظہ میں نہیں کہ قرآن کریم نے صرف اور صرف اکیلے آدمی کا ذکر کر کے بھی صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور خود نبی اعظم و آخر علیہ سے اس بات کا اعلان کروایا ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (۶: ۱۶۴)
 ”کہہ دو (اے پیغمبر اسلام) میری میری صلوٰۃ، میرا حج، میرا جینا اور میرا مرنے کا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

زکریا علیہ السلام ایک مدت مدید تک اللہ رب کریم سے فریاد کرتے رہے کہ ”اے اللہ! مجھے ایک وارث (بیٹا) عطا فرما دے جو میرا بھی اور یعقوب کے تمام خاندانوں کا وارث ٹھہرے“ گویا ایسا بیٹا عطا فرما دے جو نبی و رسول بھی بنایا جائے پھر جب اللہ نے چاہا اپنی مشیت کے مطابق خوشخبری کے لیے زکریا علیہ السلام کی طرف فرشتہ بھیج دیا جیسا

کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

فَسَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحْرَابِ لِأَنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩:٣﴾ ”پھر ایسا ہوا کہ فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کو پکار کر کہا جب وہ محراب میں کھڑا صلوٰۃ ادا کر رہا تھا کہ (اے زکریا) اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے وہ حکم الہی سے تصدیق کرنے والا، جماعت کا سردار، پارسا اور اللہ کے بندوں اور نبیوں میں سے ایک نبی ہوگا۔“

کیا کوئی فرد واحد بھی ایک نظام چلا سکتا ہے؟

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ زکریا علیہ السلام اکیلے اُس وقت ایک ایسا نظام چلا رہے تھے جو بعد میں ساری قوم بنی اسرائیل میں قائم ہونے والا تھا۔ معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا فرض ہے جس کو ادا کرنا ہر حال میں لازم ہے چاہے انسان اکیلا ہو اور چاہے جماعت کے ساتھ ہو ظاہر ہے کہ جماعت میسر آئے گی تو باقاعدہ جماعت کے ساتھ صلوٰۃ ادا کی جائے گی اور اگر ایسی جماعت میسر نہیں آئی تو انسان اکیلا بھی اُس کو ادا کرے گا جیسا کہ تمام نبی و رسول بھی کرتے رہے جب تک جماعت میسر نہ تھی اکیلے ہی اور جب جماعت میسر آگئی تو پوری جماعت کے ساتھ اور یہی صورت حال اب تک جاری و ساری ہے۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ نبی اعظم و آخر ﷺ بھی اکیلے صلوٰۃ ادا کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے جماعت میسر کر دی اور ہجرت کے بعد مدینہ پہنچے تو اس جماعت کا شیرازہ جوڑنے کے لیے آتے ہی پہلا کام مسجد کی تشکیل و تعمیر کا سرانجام دیا جو محض صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔

صلوٰۃ کے معنوں کی وسعت سے انکار نہیں

جس چیز کو قرآن کریم میں ”صلوٰۃ“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کے معنوں میں بہت وسعت ہے اس سے انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ ہماری اردو زبان میں اس مخصوص طرز ”صلوٰۃ“ کو نماز سے موسوم کیا جاتا ہے جس کے معنی عبادت کی ایک خاص قسم اور عبادت کا ایک طریقہ مراد لیا جاتا ہے جس کو انگریزی میں (Pray) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس طرح تمام زبانوں میں مختلف چیزوں کے نام مختلف ہوتے ہیں جیسے پانی کہ عربی میں ”ماء“ کہتے ہیں اور اب عرب اس کو ”موا“ کے نام سے پکارتے ہیں

فارسی میں اس کا نام ”آب“ ہے اور انگریزی میں اس کو (Water) کہتے ہیں، پشتو میں اس کا نام لفظ ”ابو“ سے لیا جاتا ہے۔ ”پانی“ کا لفظ بھی ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس طرح ”ماء“ ”آب“ اور (Water) بھی لیکن ایک سے زیادہ معنوں میں بولا جانے سے یہ کوئی نہیں کہتا کہ ”پانی“ کو پانی نہ کہو اور ”آب“ کو ”آب“ اور (Water) مت بولو اور اسی طرح دوسرے الفاظ کو بولنا بند نہیں کیا جاسکتا اور اہل زبان اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ اس جملہ میں جو استعمال ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں مثلاً ”پانی“ ایک پینے کی چیز ہے لیکن کوئی بولتا ہے ”پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات“ تو اس پانی پانی سے کوئی بھی اہل زبان جو اردو بولتا اور سمجھتا ہے کبھی اس ”پانی پانی“ سے وہ پینے والا پانی نہیں سمجھے گا اور یہی حال ”ماء“ ”آب“ اور Water کا بھی ہے۔

کیا ”صلوٰۃ“ کو ”نماز“ کہنا غلط ہے؟

لفظ ”صلوٰۃ“ کو جب کوئی اردو بولنے والا ”نماز“ کہتا ہے تو ”اہل اہواء“ فوراً اُس پر تنقید شروع کر دیتے ہیں کہ نماز تو پوجا پاٹ کو کہتے ہیں اور یہ پارسی اور ہندو کرتے ہیں مسلمانوں کے ہاں تو صلوٰۃ ہے اور ان مولویوں نے اس کو ”نماز“ کہہ کر پوجا پاٹ بنا دیا ہے اس طرح کی باتیں محض شرارت ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں جس طرح ہر زبان میں ایک چیز کے مختلف نام ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اہل زبان اس سے وہی کچھ مراد لیتے ہیں جو ان کی زبان یعنی بولی کہتی ہیں ہے لہذا اس طرح کے اعتراض سطحی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہا جاتا ہے کہ ”اللہ“ کو خدا اور (God)، ”صلوٰۃ“ کو نماز اور (Pray) اور ”رسول“ کو انسان نہیں کہنا چاہیے یہ زبردست گستاخی ہے، حالانکہ ان کے اس بیان کی کوئی حقیقت نہیں جب ایک آدمی ”اللہ“ کی جگہ ”خدا“ کا لفظ بولتا ہے تو اس کے ذہن و دماغ میں وہ ذات اقدس ہوتی ہے جو احد و صمد ہے جس کا کوئی شریک اور ہمسرو سہیم نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے ذہن میں کوئی اور ذات ہرگز نہیں ہوتی اور اللہ رب کریم کی طرف سے کبھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ اے انسان! تو نے ”اللہ“ کو خدا کہہ کر اللہ کی توہین کی ہے یا (God) کہہ کر تو گستاخی کا مرتکب ہوا ہے۔

”اہل اہواء“ کا طریقہ کار قرآن کریم کے ساتھ

”اہل اہواء“ کی تحریرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ جگہ قرآن کریم کے

الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور چلتے چلتے اپنے مطلب کا ایک جملہ قرآن کریم کا بول دیتے ہیں یا تحریر کر دیتے ہیں جس سے قاری یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے یا تحریر کیا ہے وہ قرآن کریم ہے لہذا وہ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ بالکل حق ہے۔ حالانکہ ان کی یہ بات ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی غیر نمازی کو کہا جائے کہ نماز ادا کیا کرو تو وہ کہنے والے پر یہ اعتراض جڑ دے کہ دیکھو یہ نماز تو پوجا پاٹ ہے اور پوجا پاٹ تو پارسی یعنی آگ پرست کرتے ہیں لہذا جو دعوت تم مجھے دے رہے ہو اسلام میں اس کا نام و نشان نہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ چلو معاف کرو ”صلوٰۃ“ ادا کیا کرو تو وہ کہہ دے کہ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ“ کہ صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ۔ کیا یہ قرآن کریم میں نہیں ہے؟ آپ ”اہل ابوا“ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیں جگہ جگہ آپ کو قرآن کریم کی آیات کے ٹکڑوں کا استعمال دیکھنے میں آئے گا کسی مقام پر بھی وہ قرآن کریم کی ایک مکمل آیت یا چند آیات کو تحریر کریں گے نہ بیان میں اس طرح کا ذکر کریں گے بلکہ جب بولیں گے قرآن کریم کی عبارت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا حالانکہ خود قرآن کریم نے اس حرکت سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معنی اور مفہوم بالکل بدل جاتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کئے گئے قرآن کی اس عبارت کا کہ ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ“ نماز کے قریب مت جاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعلق

چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر بے شمار احسانات کیے، جب وہ میدانوں پر رہنے پر مجبور ہو گئے تو ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس نہ رہیں تو ہم نے ”من وسلویٰ“ جیسی چیزیں ان کے لیے اتار دیں، جب انہوں نے ساگ، پالک، اورک جیسی چیزیں طلب کیں تو ہم نے ان سے کہا کہ فلاں بستی میں داخل ہو جاؤ جو تمہاری طلب ہے وہ تم کو مل جائے گی صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ سجدہ فقط اللہ کو کرنا اور بخشش اُس سے طلب کرنا لیکن انہوں نے کیا کیا کہ جو کچھ اُن سے کہا گیا تھا انہوں نے اس بات کو اُلٹ پلٹ دیا اور نتیجہ ہماری طرف سے عذاب کے مستحق ٹھہرے جیسا کہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَاذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاذْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ ط وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (۵۹:۵۸:۲) ”اور پھر ہم نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں داخل ہو جاؤ اور کھاؤ پیو اور آرام و چین کی زندگی بسر کرو، لیکن جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو تو تمہارے سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور تمہاری زبانوں پر توبہ کا کلمہ جاری ہو، اترم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا اور نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دے گا۔ لیکن ان لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی تھی اس بتلائی ہوئی بات کو بدل دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا اور دراصل یہ ان کی نافرمانی کی سزا تھی۔“

بات کو بدلنا کیسا ہوتا ہے، سب پر عیاں ہے

بات کو بدلنا کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ جو کچھ کہا گیا ہو اس کا مفہوم بدل دیا جائے الفاظ چاہے وہی رہیں لیکن ان کا مفہوم کچھ اور لے لیا جائے جیسا کہ ”اہل ابوا“ کر رہے ہیں کہ الفاظ تو قرآن کریم کے بہت استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا مفہوم بالکل بدل دیتے ہیں اور اس بات سے گذشتہ قوموں کو روکا گیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور یہی بات وہ کر رہے ہیں۔

اللہ رب کریم عالم الغیب ہے اُس نے قرآن کریم میں ایسا عمل کرنے والوں کی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جو زبان سے ایک چیز کا اقرار کرتے ہیں اور عملاً اُس کا انکار کرتے ہیں اور بالکل نہیں مانتے۔ قرآن کریم نے خود ان کا کام ذکر کیا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں یہی کہ قرآن کریم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی مرضی کا مفہوم اخذ کر سکیں۔ یہ مرض بہت پرانا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ:

وَقُلْ إِنِّي آَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلِنَّهِنَّ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۸۹:۱۵) (۹۲) ”اعلان کر دو (اے پیغمبر اسلام!) کہ میں خبردار کرنے والا ہوں، آشکارا جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا اور انہوں نے نازل ہونے والی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے بھی قرآن کریم کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ پس تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سے پوچھیں گے، ان کے اعمال کے متعلق جو کیا کرتے تھے۔“

قرآن کریم نے جہاں یہ مضمون شروع کیا ہے اس کو پیچھے سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس جگہ ان آیات کی تفسیر نہیں کی جا رہی اگر تفسیر دیکھنا ہو تو ہماری تفسیر عروۃ الوثقی کی محولہ آیات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ گزشتہ قوموں اور خصوصاً یہود نے کتاب اللہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور قرآن کریم نے پیش گوئی کے طور پر واضح کر دیا کہ آنے والے وقت میں قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو ان لوگوں کا انجام بھی وہی ہوگا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا۔

اپنی خرابیوں کو خوبیاں سمجھنے والے کیا کرتے ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں کو اپنی خوبیاں سمجھ بیٹھے ہیں۔ خود اُس راستے پر جا رہے ہیں اور اپنی قوم کو اس راستے پر گامزن کرنا چاہتے ہیں جس کا یقینی انجام ہلاکت ہے اور جو شخص ان کو سلامتی کی راہ دکھا رہا ہے اُس کی سعی اصلاح کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ انہوں نے خود مختلف فرقے بنا لیے ہیں اور جس طرح یہود نے ”کتاب اللہ“ کو تقسیم کر دیا یہ بھی کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور جس ٹکڑے کو چاہتے ہیں اصل جگہ سے اٹھا کر جہاں چاہتے ہیں فٹ کر لیتے ہیں۔ یہ وہ گمراہی ہے جس نے گزشتہ قوموں کو اپنی پلیٹ میں لیا اور ظاہر ہے کہ حالات یہی رہے تو یہی حال ایسے لوگوں کا بھی ہوگا جو قرآن کریم کے ٹکڑے کرنے کا ارتکاب کر رہے ہیں دراصل گروہ بندی شرک کی اصل جڑ ہے جس قوم میں گروہ بندی رہے گی وہ قوم شرک کی زد سے بچ نہیں سکتی خواہ اُس کے رہنے والے ”اہل توحید“ کے راگ الاپ رہے ہوں بد قسمتی سے یہی حال آج قوم مسلم کا ہے اور خصوصاً اس ”قلعہ اسلام“ یعنی پاکستان کا، فرقہ بندی روز بروز بڑھ رہی ہے اور ہر ایک جماعت مزید جماعتوں میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے اور حکومت نے بھی اس شرک کی قانونی طور پر اجازت دے رکھی ہے۔

وہ صلوة جو اکیلا انسان بھی ادا کر سکتا ہے جب جماعت میسر نہ ہو

اس جگہ اصل بات ہو رہی ہے کہ اکیلے آدمی کی صلوة یعنی نماز کوئی نماز نہیں اور عرض یہ کیا جا رہا ہے کہ بلاشبہ صلوة یعنی نماز ادا کرنے کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جماعت میسر نہ آئے یا دل کسی جماعت کے ساتھ نماز ادا

کرنے کو نہ مانے تو نماز ہی کا انکار کر دیا جائے ہرگز نہیں جب تک انسان اکیلا ہے اور دوسرا اُس کے ساتھ جڑنے کے لیے تیار نہیں تو اُس وقت بھی انسان کو اس فریضہ سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس کی ادائیگی میں اسی طرح سرگرم رہنا چاہیے اور کسی مچلے کے روکنے سے ہرگز نہیں رکنا چاہیے کہ یہ دین کا اہم رکن ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ۚ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۚ
 أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۚ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۚ (۹۶:۹۶ تا ۱۰۱) ”ہرگز نہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسان اکثر حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے۔ اے انسان! بلاشبہ تجھ کو ایک دن اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا اس شخص کو تو نے دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“
 کیا اس نماز سے میٹنگ مراد لی جاسکتی ہے

کیا اس صلوة یعنی نماز سے وہ میٹنگ میں حاضر ہونے والی نماز ہی مراد ہے جیسے ہمارے یہ دوست کہتے ہیں اور کیا یہ اکیلے کی نماز نہیں جس سے روکا جا رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان کے روکنے کا انداز بھی وہی ہو جو انداز ہمارے ان دوستوں نے اپنایا ہے کہ نہ تو خود نماز کے قریب جاؤ کیونکہ اس نماز کے لیے وضو، طہارت، لباس کی پاکیزگی۔ جگہ کی پاکیزگی، قبلہ رخ ہونے کی سعی و کوشش اور سردیوں کے موسم میں بھی بستروں کی گرمی ترک کرنی پڑتی ہے اور گھر سے اُٹھ کر مسجد کی طرف چلنا پڑتا ہے لہذا بہتر ہے کہ نماز کے مفہوم ہی کو بدل دیا جائے تاکہ ان تمام کاموں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گھر بیٹھ کر فون یا انٹرنیٹ پر ہی اس کو ادا کر لیا جائے کیونکہ اس سہولت سے اگر یہ فائدہ بھی حاصل نہ کیا جائے گا تو ان کے ”بل“ ہم آخر کیوں ادا کریں گے۔ جب ہر کام گھر بیٹھے بٹھائے ہو سکتا ہے تو آخر یہ صلوة گھر بیٹھ کر بغیر ان ابتدائی تکلیفات کے کیوں ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس ترقی یافتہ دور میں آخر اس فرسودہ نماز کی ضرورت کیا ہے؟ اللہ آخر ہم کو ان تمام تکلیفات میں کیوں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ نہیں نہیں یہ نماز اللہ کی نماز نہیں یہ تو ملاؤں کی ایجاد ہے۔

اس وقت ایک مضمون میری نظر سے گذرا جو جناب عزیز اللہ بوہو کے نام سے موسوم ہے انہوں نے گزشتہ کرم فرماؤں سے چند قدم آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ

مسجدیں اس مروجہ نماز کے لیے جو استعمال کی جا رہی ہیں یہ سراسر مسجدوں کے ساتھ زیادتی ہے مسجدیں تو اسلام کی میٹنگ گاہیں اور عدالتیں ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اجتماعی تقریبات کے لیے ہیں جو ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کو یہ سجدہ نہ معلوم کیوں راس نہیں آیا جس میں ”آگے نیچے کرنا پڑتا ہے اور پیچھا اونچا کرنا پڑتا ہے“۔ اس سے ان کو اتنی نفرت ہے کہ اس سجدہ کو وہ سجدہ نہیں سمجھتے۔

بوہیو صاحب خوف زدہ کیوں ہیں؟

ایسا لگتا ہے کہ شاید بوہیو صاحب عمر کے کسی حصہ میں کسی ”خان“ کے قابو آئے ہیں اور اُس نے ان سے بزور ایسا ”سجدہ“ کرایا ہے کہ وہ ڈر گئے ہیں اور جب انہوں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں وہ ماتھا زمین پر لگا دیتے ہیں اور پیچھا اوپر کو اٹھا دیتے ہیں لہذا وہ اس سجدہ کی ہیئت کو بدلنا چاہتے ہیں پھر انہوں نے سمجھا ہے کہ صرف سجدہ کی ہیئت کو بدلنے سے نہیں بلکہ سجدہ گاہ یعنی مسجد کے مفہوم ہی کو بدل دیا جائے تو وہ سجدہ کی ”شرم والی بات“ خود بخود بدل جائے گی۔ انہوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ قرآن کریم میں ”مسجد کا لفظ 28 بار لایا گیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس میں ”یہ“ والی موجودہ مروجہ نماز پڑھی جائے۔“ اور وہ ”یہ والی“ موجودہ مروجہ نماز کی جگہ ”وہ“ والا سجدہ تحریر فرمادیتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ ان کو دراصل مسجد سے یہ نفرت تو محض ”وہ والے سجدہ“ سے ہوئی ہے نہ کہ ”یہ والی مروجہ نماز سے“ جیسا کہ ان کی تحریر سے واضح ہو رہا ہے۔

بوہیو صاحب کا ”مسجد“ سے اقرار اور پھر فرار

کاش کہ جس بات کا انہوں نے اپنے مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ مسجد کا ذکر قرآن کریم میں 28 بار آیا ہے ان تمام آیات کو ایک جگہ جمع کر دیتے اور اس سے ثابت کر دیتے کہ مسجدوں میں اس طرح کا سجدہ نہیں بلکہ فلاں طرح کا سجدہ ادا کیا جاتا ہے کیونکہ ”مسجد“ سے مراد وہ خاص جگہ ہی لی جاتی ہے جہاں پہنچ کر لوگ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور سجدہ دراصل تدلل کی ایک آخری صورت و ہیئت ہے جو انسان صرف اور صرف اللہ رب کریم کے سامنے اختیار کرتا ہے کسی انسان یا کسی دوسری ہستی کے سامنے نہیں اور اس سجدہ کے لیے وہ تمام ابتدائی مراحل جو پاکیزگی و طہارت کے ہوتے ہیں ان سے

گزرنا پڑتا ہے ان مراحل سے گزرنے کے سوا ایسا کرنا ہرگز ہرگز اسلام کا یا نماز کے اندر کا سجدہ نہیں کہلاتا۔

بوہیو صاحب کی آئیں، بائیں شانیں اور مسجد کے تصور کی وضاحت

محترم عزیز اللہ بوہیو صاحب تو صرف 28 بار کا ذکر کر کے دوسری باتوں میں مصروف ہو گئے اور ”اہل اہواء“ کی طرح آئیں بائیں، شانیں کرتے ہوئے پھر کبھی مسجد والی آیت کی طرف آئے تو قرآن کریم کے تین چار الفاظ جس میں مسجد کا لفظ بھی آئے ظاہر کرنے کے بعد پھر اسی طرح ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گئے تاکہ قاری کا ذہن ہٹا دیں کہ وہ یک جہتی کے ساتھ کسی بات کو سمجھ نہ سکے بہر حال یہ ان کا معاملہ ہے جو ان کے ساتھ ہے جس کے وہ خود ہی ذمہ دار ہیں ہم اس جگہ مسجد کا ذکر ذرا تفصیل سے کریں گے تاکہ ”مسجد“ کا تصور واضح ہو جائے اور جس سجدہ کی وجہ سے اس کو مسجد کہا جاتا ہے اُس کی حقیقت بھی مبہم نہ رہے چنانچہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم میں ”مسجد“ کا لفظ تین بار ”المسجد“ سترہ بار ”مسجداً“ دو بار ”مساجد“ چار بار اور ”المساجد“ کا لفظ دو بار آیا ہے اور ان الفاظ کی تعداد فی الحقیقت ۲۸ ہوتی ہے جن کے مقامات کی تفصیل اس طرح ہے۔

لفظ ”مسجد“ اور قرآن کریم

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ ط كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ذَاتُ أُلْمٍ خَلَقْتُمْ عَنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۗ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَلِكَ نَفِّصُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (۳۲:۴-۷) (اے پیغمبر اسلام!) تم کہو میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے وہ تو یہ ہے کہ اعتدال کی راہ اختیار کرو اور ہر عبادت گاہ میں عبادت کے لیے جاؤ تو اپنی عبادت میں صرف اور صرف اللہ کی طرف توجہ رکھو اور دین کو اُس کے لیے خالص کر کے اُسے پکارو، اس نے جس طرح تمہاری ہستی شروع کی اسی طرح لوٹائے جاؤ گے۔ ایک گروہ کو کامیابی و کامرانی کی راہ دکھائی، دوسرے پر گمراہی ثابت ہو گئی، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر

شیطان کو اپنا رفیق بنا لیا یا جسے ہم سمجھے کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔ اے اولادِ آدم! عبادت کے ہر موقع پر جب عبادت گاہ میں جاؤ تو اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کر دینا کھاؤ، پیو مگر حد سے گزر نہ جاؤ، اللہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ ان لوگوں سے کہو اللہ کی زینتیں جو اس نے اپنے بندوں کے استعمال کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟ تم کہو وہ تو اس لیے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں، دنیا کی زندگی میں بھی، قیامت کے دن بھی خالص ان کے لیے ہیں، اس طرح ہم ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں جو جاننے والے ہیں۔“

مسجد کی حاضری عبادت کے لیے اور زیب و زینت

مذکورہ آیات میں جو قرآن کریم کی سورہ الاعراف سے مسلسل ذکر کی گئیں ہیں دوبار ”مسجد“ کا ذکر آیا ہے جس سے مراد عبادت گاہ ہے اور وہاں کیوں جائیں گے؟ عبادت کے لیے، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ رب کریم کی عبادت کے لیے حاضری دی جائے تو انسان کو اپنی زیب و زینت کا مکمل اہتمام کرنا چاہیے اور ”زیب و زینت“ میں جو کچھ آتا ہے سب کا سب اس میں شامل ہے یعنی اچھا اور صاف ستھرا لباس ہو اور عبادت کے لیے حاضر ہونے والا مرد ہے یا عورت اس کو بھی صاف ستھرا اور پاک و صاف ہونا چاہئے ظاہری طہارت و پاکیزگی بھی ہو اور باطنی طہارت و پاکیزگی بھی۔

ایک بات غور طلب یہ بھی ہے کہ جس ”زیب و زینت“ کا ذکر کیا گیا ہے کیا یہ ”زیب و زینت“ اسی طرح بنی بنائی آسمان سے اتری ہے یا اس جگہ بنائی گئی ہے؟ سب تسلیم کریں گے کہ یہ زیب و زینت اسی جگہ بنائی گئی ہے آسمان سے نہیں اتری۔ یہ زیب و زینت ایسی ایسی چیزوں کو قرار دیتے ہیں کہ ان کا نام سن کر ہی آدمی حیران رہ جاتا ہے پھر ان تمام چیزوں کے فیصلے خود انسان ہی کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ میری نظر میں ایک چیز تہذیبِ اسلامی کے خلاف ہو اور آپ اس کو عین تہذیبِ اسلامی سمجھتے ہوں۔ دلائل میں بھی پیش کروں گا اور آپ بھی پھر آخراں کا حل کیا ہے؟ میری نظر میں یہی کہ میں بھی برداشت سے کام لوں اور آپ بھی۔ آپ مجھے برا بھلا کہنا بند کر دیں اور میں آپ کو، میں یہی کہوں گا کہ ”مسجد“ کو ساری دنیا کے لوگ عبادت گاہ، عبادت کی جگہ، سجدہ گاہ، سجدہ ادا کرنے کی جگہ مزید آگے بڑھ کر یہ کہ مسجد کو ”عبادت“ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی تعمیر کو

عبادت تصور کرتے ہیں لیکن ہمارے جو بھائی اور دوست ایسا نہیں سمجھتے ان کو چاہیے کہ وہ عداوتوں کو، جماعت گاہیں، عام مجلسوں کی جگہوں کو ”مسجد“ سمجھتے رہیں اور جو کچھ وہاں ہوتا ہے اُس کو عبادت سمجھیں لیکن دوسروں کی تضحیک و تفسیق نہ کریں کیونکہ اس طرح سمجھنے والے پہلے بھی گزر چکے ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

مشرکین مکہ کی صلوة بیت اللہ کے قریب

وَمَا كَانَ صَلَاةُ لَهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاةً وَتَصَدِيَةً طَفُدُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٨:٣٥﴾ ”اور بیت اللہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں، تو دیکھو تم جیسے کچھ کفر کرتے رہے ہو اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔“

زیر نظر آیت میں جس جگہ کو ”البیت“ کہا گیا ہے اس کو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ”مسجد حرام“ کے نام سے موسوم کیا ہے مختلف ادوار میں اس جگہ کیا کچھ ہوتا رہا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہے اب بھی یہ کام مسجد میں نہیں تو خانقاہوں پر ہوتا ہے اور زور و شور سے ہو رہا ہے اور خانقاہوں کو بھی متبرک مقام سمجھا جاتا ہے اگر بوجہ صاحب اور ان کے ہم نوا دوبارہ ایسے ہی کام مسجدوں میں کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس سجدہ سے ایسے ڈرے ہیں کہ اس سجدہ کو متعارف سجدہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور خوف کے باعث وہ مسجدوں میں بھی دوسرے کام کرنے کی سعی و کوشش میں ہیں تو ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جو کچھ کہا ہے وہ اوپر ہم نے سورہ الانفال کی آیت کے حوالہ سے عرض کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ط فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿٩:١٠٨﴾ ”البتہ وہ مسجد آپ کے کھڑے ہونے کی زیادہ مستحق ہے جس کی بنیاد روزِ اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ صاف و ستھرے رہیں اور اللہ تعالیٰ صاف و پاک رہنے والوں کو زیادہ پسند کرتا ہے۔“

قرآن کریم اور ”المسجد“ کا بیان شروع ہوتا ہے

مساجد کا لفظ جو تین بار قرآن کریم میں مذکور ہوا اس کو بیان کرنے کے بعد ”المسجد“

کے لفظ کو جہاں جہاں مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے ان کی واضح طور پر نشاندہی کی جاتی ہے اور قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ خود ان حوالہ جات سے قرآن کریم کے سیاق و سباق کے لیے آگے اور پیچھے کی آیات پر بھی نگاہ رکھیں ان شاء اللہ بات مزید واضح ہو جائے گی، اس جگہ ہم صرف آیات اور ان کے ترجمہ پر اکتفا کریں گے تفسیر کے لیے ہماری تفسیر عروۃ الوثقیٰ کی حوالہ آیات کو دیکھیں چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ:

صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے قبلہ رو ہونا لازم ہے

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۲﴾ (۱۴۳:۲) ”ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا چہرہ آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہے یقین کرو ہم عقرب تمہارا رخ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم نکلو ضروری ہے کہ اپنا رخ اسی طرف پھیرا کرو، جن لوگوں کو آپ سے پہلے کتاب دی گئی ہے وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ”قبلہ“ ان کے رب کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں اللہ ان سے غافل نہیں۔“

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَانَّهُ لِلْحَقِّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۲﴾ (۱۴۹:۲، ۱۵۰) ”آپ گھبراہٹ سے بھی نکلیں اور جہاں کہیں بھی ہیں رخ انور اس طرح پھیر لو جس طرح مسجد حرام ہے اور یقین کرو یہ آپ کے رب کی طرف سے امر حق ہے اور تم جانتے ہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں۔ اور تم کہیں سے بھی نکلو اور جہاں کہیں بھی ہو چاہئے کہ اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف کیا کرو تا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے، وہ لوگ جو حق سے تجاوز کر گئے ہیں ان کی مخالفت تو ہر حال میں جاری رہے گی، ان

سے مت خوف کھاؤ، ڈرو تو صرف مجھ ہی سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں، جس کے نتیجے میں تم سیدھی راہ پر لگ جاؤ۔“

مسجد الحرام کے احترام کا طریقہ اسلام میں

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۰﴾ وَأَقْسَلُواهُمْ حَيْثُ تَقَفْتُمُوهُمْ وَآخِرُ جُوهِهِمْ مِنْ حَيْثُ آخَرُ جُوهَكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ط كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۰﴾ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲﴾ (۱۹۰:۲، ۱۹۲) ”اور جو لوگ تم سے اللہ کی راہ میں لڑائی لڑتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ لڑو ہاں کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے، اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہوں۔ انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جس جگہ سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم انہیں نکال باہر کرو کیونکہ فتنہ کا قائم رہنا قتل و خون ریزی سے بڑھ کر ہے جب تک وہ خود مسجد حرام کی حدود میں تم سے لڑائی نہ کریں، تم بھی ان سے لڑائی نہ کرو، ہاں! اگر انہوں نے اس مقام پر لڑائی شروع کر دی تو تمہارے لیے اس مقام پر لڑنا ضروری ہو جائے گا، منکرین حق کا یہی بدلہ ہے۔ جب وہ لڑائی سے باز آ گئے تو پھر اللہ کی بخشش کا دروازہ کھلا ہے بلاشبہ وہ رحمت سے بخش دینے والا ہے۔“

تمتع حج اور قربانی یعنی جانور کا ذبیحہ

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾ (۱۹۶:۲) ”جو شخص تمتع حج کرے تو اس کے لیے بھی قربانی ہے جیسی کچھ اُس کو میسر آئے۔ البتہ جس شخص کو قربانی میسر نہ آئے تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، سات روزے واپسی پر، یہ دس کی پوری گنتی ہو جائے گی، ہاں! یاد رہے کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ مکرمہ میں نہ ہو اور دیکھو ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔“

قربانی نہ کرنے والے دس روزے رکھ لیں لیکن کون؟

مذکورہ آیت تو محض ”مسجد“ کے ذکر کے باعث تحریر کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں تمتع

حج کا ذکر ہے اور یہ بات بھی اس میں فرمائی گئی ہے کہ صرف تمتع حج ہی ایسا حج ہے جس میں قربانی لازم ہے بشرطیکہ میسر آئے اگر آسانی سے میسر نہ آئے تو مکہ مکرمہ کے علاوہ جو لوگ حج تمتع کے لیے جائیں ان کے لیے اس قربانی کا بدل دس روزے ہیں جن میں سے تین توج کے دونوں میں پورے کیے جائیں گے یعنی ۱۸ ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک وقفہ کے ساتھ اور سات روزے حاجی جب گھر واپس آئے تو اس وقت رکھ لے۔ آج جو وہاں قربانیوں کا حال ہے وہ سب کو معلوم ہے لیکن کوئی عالم یہ نہیں بتاتا کہ حج قرآن اور حج افراد میں تو قربانی لازم نہیں لہذا ان کو وہاں قربانی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہاں گوشت کی ضرورت نہیں جس کے باعث جانوروں کی اضاعت ہوتی ہے اور تمتع حج کرنے والے بھی ضرورت محسوس نہ کریں تو ان کو روزے رکھ لینا چاہیے تاکہ اضاعت مال نہ ہو اور یہ مال ضرورت مند لوگوں کے کام آئے، کاش کہ اس معاملہ میں سوچا جاتا۔

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ط وَصَدَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفِّرُ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَأَخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ط وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط (۲:۲۱۷)

”لوگ آپ سے پوچھتے ہیں جو مہینہ حرمت کا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو، اس میں لڑائی لڑنا بہت ہی بری بات ہے مگر کسی انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں کسی کو نہ جانے دینا، یہاں تک کہ وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر برائی ہے۔“

کسی قوم کی دشمنی مسجد حرام سے روکنے کا باعث نہ ہو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّواكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ط وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ط وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ط (۲:۲۱۷)

”اور ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ زیادتی کرنے لگو کیونکہ انہوں نے مسجد حرام سے تمہیں روک دیا تھا، نیکی اور پرہیزگاری کی ہر بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور ظلم کی بات میں نہ کرو اور دیکھو اللہ کی نافرمانی سے بچو، یقیناً وہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

عذاب الہی کے مستحق کون؟

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ط (۷:۹)

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب عہد و پیمانہ باندھا تھا تو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو، اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہوتے ہیں۔“

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ط (۹:۱۹)

”کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لیے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اس درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ ظلم کرنے والوں پر راہ نہیں کھولتا۔“

شُرک ناپاکی ہے اور شرکین ناپاک ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ط وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ نُغْنِيكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ط (۹:۲۸)

”اے مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ مشرک نجس ہیں، بس چاہئے کہ اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو تو گھبراؤ نہیں، اللہ چاہے گا تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تو نگر کر دے گا، اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِنشَاء ط إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ط (۱۷:۱)

”پاکیزگی ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ اس کے اطراف کو ہم نے بڑی برکت دی ہے، سیر کرائی اور اس لیے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اسے دکھا دیں، بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی اور دیکھنے والی ہے۔“

یہ آیت مسلمانوں کے لیے اپنے اندر بہت سی نشانیاں اور نہایت واضح اسباق رکھتی ہے لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے جس نیچ پر سوچنا چاہئے تھا بالکل نہیں سوچا اور غیار بہت کچھ سوچ رہے ہیں اور انہوں نے بہت حساس اور پیچیدہ پروگرام تشکیل دیئے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ مسلمانوں کی بھی آنکھیں کھول دے اور وہ حقیقت کو سمجھ جائیں۔ آگے جو آیت سورہ حج کی ”مسجد“ کی نسبت سے درج کی جا رہی ہے اُس کا مضمون بھی اس ”حساسیت“ کو تقویت دے رہا ہے غور کریں:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً نِعَاكُفُ فِيهِ وَالْبَادِ ط وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدُّهُ مِن عَذَابِ إِلِيمٍ ۝ (۲۴:۲۵) ”جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے ٹھہرایا ہے خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے اور ہر اس آدمی کو جو اس میں ازراہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے۔“

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحَلَّهُ ط وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوُّوهُمْ فَتَضَيَّبِكُمْ مِنْهُمْ مَّعْرَةٌ بَغَيْرِ عِلْمٍ ج (۲۸:۲۵) ”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور بھی اپنی جگہ سے رکے رہے اور اگر مومن مرد اور مومن عورتیں مکہ میں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے تو یہ احتمال تھا کہ تم ان کو پیش ڈالتے پھر تم کو ان کے باعث اس کی وجہ سے نقصان پہنچتا جو اگرچہ تم بے خبری میں کرتے۔ پھر بھی یہ نقصان تو تھا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی صداقت

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَسَدَخُلْنَا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ط فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۳۹:۲۷) ”بے شک اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو حقیقت کے مطابق سچا خواب دکھایا کہ ان شاء اللہ تم مسجد حرام میں امن وامان سے داخل ہو گے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے تم کو کسی بات کا خوف نہ ہوگا پھر وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے پھر اس نے فتح مکہ سے قبل ہی ایک فوری فتح دے دی۔“ (یہ فتح خیبر تھی)۔

اوپر سترہ بار جو ”المسجد“ کا ذکر کیا تھا وہ تعداد بھی مکمل ہو گئی۔ ان آیات کو اچھی طرح غور و فکر کے ساتھ پڑھیں اور خود ہی دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کر لیں کہ ”مسجدیں“ کس

مقصد کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں اور خصوصاً اسلام نے جس کو ”مسجد حرام“ اور ”مسجد انصاری“ کے ناموں سے تعبیر کیا ہے اُس وقت وہاں کیا ہوتا تھا جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور آپ خود بنفس نفیس مدینہ طیبہ میں موجود تھے نیز وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہاں کیا کچھ ہوتا تھا۔ اب ان آیات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ”مسجد“ کا لفظ آیا ہے جو دو مقامات پر ہے چنانچہ ارشادِ الہی ہے کہ:

مسجد ”ضرار“ کس کو کہا گیا اور کیوں؟ نیز ”مسجد“ کا لفظ قرآن کریم میں

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ط وَلِيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (۹:۱۰۷) ”اور جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لیے کمین گاہ پیدا کریں جو اب سے پہلے اللہ اور اُس کے رسول سے لڑ چکے ہیں، وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ بھلائی ہو لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں۔“

آپ کی ہجرت سے قبل مدینہ کی حالت

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اُس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت تشکیل پا چکی تھی۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تبلیغ سے مدینہ کے اکثر خاندانوں سے لوگ اس جماعت میں داخل ہو چکے تھے آپ نے تشریف لاتے ہی پہلا کام ”مسجد النبی“ کی تعمیر کا سر انجام دیا کہ مسلمان وہاں باجماعت نماز ادا کر سکیں اور وحی الہی کی تعلیم کو سیکھ سکیں۔ وہ وحی الہی جو مدینہ کی ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی وہ آپ کے اور صحابہ کرام کے سینے میں محفوظ ہونے کے ساتھ تحریری طور پر بھی موجود تھی جو مختلف اشیاء پر تحریر ہو چکی تھی اور ایک خاص صندوق میں محفوظ رکھی ہوتی تھی۔ یہ صندوق بھی ہجرت کے وقت آپ کے ساتھ آیا اور اس کو ایک خاص جگہ اس مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ مقفل رکھا گیا جس سے یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مسجد کی تعمیر کیوں ہوئی اور وہ کتنی ضروری تھی کہ اپنی رہائش سے بھی پہلے آپ نے اس کی تعمیر کا بندوبست کیا۔ بلاشبہ قومی اور جماعتی مشاورت بھی اس جگہ ہوتی تھی۔ مثل ہے کہ ”جہاں پھول وہاں کانٹا“ جہاں سچے دل سے ایمان لانے والے

لوگ موجود تھے وہاں اس دن گئی رات چوگنی ترقی کرنے والی جماعت میں کچے ایمان کے لوگ جن کو اسلام کی زبان میں منافق کہا جاتا ہے وہ بھی داخل ہو گئے چونکہ وہ اپنے دعویٰ ایمان کے باعث ان سچے مسلمانوں میں گھس گئے، مسلمانوں کو اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ نے نہایت حکمت عملی کے ذریعہ ان کا ایسا دفاع کیا کہ وہ اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے، ان کے رابطے بدستور مدینہ سے باہر مشرکین اور اہل کتاب کی ان جماعتوں سے رہے جو مدینہ کے مضافات میں رہتے تھے بلکہ دور دراز دوسرے ملکوں تک ان کے روابط قائم رہے جن کا ذکر تاریخ میں واضح طور پر موجود ہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ہم باوجود ساری کوششوں کے ناکام و نامراد ہیں اور کھلے بندوں آپس میں بھی بیٹھ کر کسی طرح کی گفتگو نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے ظاہر ہونے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے اور اب اسلام کا لبیل بھی اُتارنا نہیں جاسکتا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک مسجد کی تعمیر شروع کر دی یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس مسجد کے تعمیر کرنے والے کسی سے پوشیدہ نہیں تھے لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ مسلمانوں میں شمار ہوتے تھے لہذا ایک دن وہ آیا کہ انہوں نے آپ کے سامنے یہ درخواست پیش کر دی کہ آپ ہماری اس مسجد میں تشریف لائیں تاکہ اس کا افتتاح ہو جائے آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو نہیں البتہ تبوک کے بعد اس سلسلہ میں کچھ کہہ سکوں گا۔ آپ تبوک چلے گئے، بہت سے لوگوں کو جو مضافات مدینہ میں رہتے تھے اور مدینہ کے منافقین کو ایک طرح سے مکمل یقین تھا کہ تبوک سے واپسی خیریت سے نہیں ہوگی کیونکہ رومی ایک نہایت سخت قوم ہے اور وہ اس معرکہ کے لیے مکمل تیار بھی ہو چکے ہیں لیکن اُس وقت ان تمام لوگوں کی اسکیموں پر پانی پھر گیا جب آپ اور آپ کے ساتھی بخیر و خوبی اس طویل سفر سے واپس آ گئے اور رومیوں نے مزاحمت کرنے کی بجائے پسپائی اختیار کر لی۔

مسجد ضرار کے انہدام کا حکم اور اس پر عمل

آپ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ نے ایک دستہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی تیار کر دیا کہ وہ مدینہ جا کر اس ”مسجد ضرار“ کو منہدم کر دیں چنانچہ یہ ”مسجد“ منہدم کر دی گئی اور قرآن کریم نے اس مسجد کا نام ”مسجد ضرار“ بیان کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے نہیں بلکہ کپکے اور سچے مسلمانوں کے خلاف بطور سازش تعمیر کی گئی

تاکہ مسلمانوں کے خلاف بطور کمین گاہ کام دے اور آج بھی جو لوگ مسجدوں کو اللہ کی عبادت کے لیے نہیں بلکہ محض صلاح مشورہ اور جماعتی فیصلوں کے لیے تصور کرتے ہیں دراصل یہ تمام لوگ ان ہی منافقین مدینہ کے پیروکار ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام کی ان شناختوں کو بھی ختم کر دیا جائے جو اس وقت تک بطور رسم موجود چلی آ رہی ہیں۔

تعمیر مساجد کی موجودہ حالت پر افسوس آ کر کیوں؟

ہم نہایت افسوس سے یہ بات بھی عرض کریں گے کہ مسجدوں پر مسجدیں بناتے چلے جانا اور مسلمانوں کی اس تفریق میں اضافہ کرنے کا باعث بننا بھی کوئی نیکی اور ثواب کا کام نہیں بلکہ مسجدوں کی رونق بحال کرنا، اللہ کے ذکر میں شامل رہنا، اللہ کی رضامندی کو تلاش کرنا اور آپس میں گھل مل کر رہنا اور ایک دوسرے کی خبر گیری کرنا، ایک دوسرے کے کام آنا، اپنے محلے، شہر گاؤں، قصبہ اور ملک تک کے ساتھ مخلص رہتے ہوئے زندگی گزارنا اور ان کاموں کو تقویت دینے کے لیے مسجدوں میں حاضری ضروری ہے گویا مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے تعلقات کو استوار کرنے کا سبق یہاں سیکھا جاتا ہے اور اللہ کی توفیق ہی سے یہ کام سرانجام دیا جاسکتا ہے اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ”مسجداً“ کا دوسرا لفظ سورہ کہف میں اس طرح آیا ہے کہ:

خانقاہوں پر مسجدیں بنانے کا رواج

وَكَذَلِكَ أَعْتَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَسْأَرُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُيُوتًا ط رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝ (٢١:١٨) ”اور اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا اور اس لیے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اس وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے، ان لوگوں کے معاملے میں کیا کیا جائے لوگوں نے کہا اس غار پر ایک عمارت بنا دو، ان پر جو کچھ گزری، ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے، تب ان لوگوں نے کہا کہ معاملات میں غالب آ گئے تھے، ٹھیک ہے ہم ضرور ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ (مسجد) بنائیں گے۔“ انہوں نے وہاں مسجد بنا دی۔

اصحاب کہف کے واقعہ کی تفصیلات بڑی عجیب ہیں اور یہ دیکھنے پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے لیکن اس جگہ اس کے بیان کی گنجائش نہیں، ویسے بھی ہم نے اس کی پوری تفصیلات قرآن کریم کی تفسیر عرودۃ اللغوی میں دے دی ہیں۔ مختصر یہ کہ اصحاب کہف کا معاملہ ایسا ہے کہ ابتداء میں قوم کے ظلم و ستم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ کسی غار میں جا کر پناہ لیں۔ لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد قوم پر ان کے زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح چھا گیا کہ انہوں نے ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ (مسجد) تعمیر کر دی، اور عیسائیت سے یہ کام مسلمانوں میں بھی در آیا کہ ہر خانقاہ کے ساتھ ضرور ایک عبادت گاہ (مسجد) تعمیر کی جاتی ہے اور جو کچھ ان خانقاہوں اور ان مساجد میں ہوتا ہے اُس کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں۔

”مساجد“ کا لفظ قرآن کریم میں چار بار موجود ہے

”مساجد“ کا لفظ قرآن کریم میں چار بار آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ”مساجد“ مسجد ہی کی جمع ہے، اب اس کا ذکر دیکھیں کہ قرآن کریم میں کس طرح کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۗ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۱۱۴:۲)

”اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد کو روکے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم کا یہ حال ہے تو وہ اس قابل ہی نہیں کہ اللہ کی عبادت گاہوں میں وہ قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ وہ ڈرے، سہمے ہوئے ہوں، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا گیا ہے۔“

مسجدیں آباد کرنے کا حق کن لوگوں کو ہے؟

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ وَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَىٰ الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۚ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ (۱۸، ۱۷:۹)

(اے پیغمبر اسلام! ان) مشرکوں

کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں ایسی حالت میں کہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ مسجدوں کو آباد کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈرنہ مانا، جو لوگ ایسے ہیں ان ہی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ سعادت و کامیابی کی راہ پانے والے ثابت ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی مدد و نصرت فرماتا ہے

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُتِنَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (۲۴:۲۴)

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا، وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ جو کوئی اللہ کے دین کی حمایت کرے گا ضروری ہے کہ اللہ بھی اُس کی مدد فرمائے، کچھ شبہ نہیں وہ یقیناً قوت رکھنے والا، غالب ہے۔“

”المساجد“ کے الفاظ قرآن کریم میں صرف دو بار

قرآن کریم میں ”مساجد“ کے الفاظ مکمل ہو گئے اب ”المساجد“ کے الفاظ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ لفظ قرآن کریم میں دو بار مذکور ہے جس کی وضاحت اس طرح پیش کی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۗ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۗ فَالْتَنَ بِأَشْرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَكُمْ الْحَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْحَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتَمُوا الصِّيَامَ إِلَىٰ اللَّيْلِ ۚ وَلَا تَبَاشَرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

اِنَّهُ لَلنَّاسِ لَعَلَّهٖمۡ يَتَّقُوْنَ ۝ (۱۸۷:۲) ”روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی ازدواجی زندگی کی خواہش کی تکمیل چاہیں تو بلا جھجک کریں کیونکہ تم عورتوں کے رازداں ہو اور وہ تمہاری رازداں ہیں، اللہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال رکھ کر پھر اس میں خیانت کرتے ہو، پس اس نے تمہاری ندامت و شرمندگی قبول کر لی اور جو تم کو غلطی محسوس ہوئی وہ معاف فرمادی، اور اب تم اپنی عورتوں سے ازدواجی زندگی کی خواہش پوری کرنی چاہتے ہو تو بے روک ٹوک کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے اس کے خواہش مند ہو اور حلال و طیب چیزیں کھاؤ، پیو یہاں تک کہ صبح کی سپیدی کالی دھاری سے نمایاں ہو جائے پھر اس وقت سے لے کر رات آنے تک روزے کو پورا کرو، ہاں اگر تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں ازدواجی زندگی کی خواہش پوری کرنے کی ممانعت ہے، یاد رکھو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں پس ان سے دور رہنا چاہیے، اللہ اس طرح اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں۔“

مساجد کیوں تعمیر کی جاتی ہیں؟ محض اللہ کے ذکر کے لیے

وَاِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ وَاِنَّهٗ لَمَّا قَامَ اللّٰهُ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لَبَدًا ۝ (۱۹، ۱۸: ۷۲) ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں (پس اے لوگو!) تم ان میں اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو، اور جب اللہ کا بندہ اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔“

قارئین کرام! مسجد کے متعلق تمام الفاظ جو قرآن کریم میں آئے ہیں اور پر گزر چکے ہیں ان میں تین سورتیں مکی ہیں اور باقی تمام مدنی سورتیں ہیں مکی سورتوں میں الاعراف، بنی اسرائیل، الکہف اور جن ہیں ”مسجد“ کا نام لیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ ”مسجد“ کا تصور ہمیشہ ”عبادت گاہ“ کے لیے قائم ہوا تھا، قائم ہے اور ان شاء اللہ قائم رہے گا۔

”صلوٰۃ“ کا تعلق ”مسجد“ کے ساتھ، کیوں؟

”صلوٰۃ“ کے بیسیوں سے بھی متجاوز معنی ہوں تو بھی جس ”صلوٰۃ“ کا تعلق مسجد کے ساتھ ہے جس کو نماز سے موسوم کرتے ہیں اُس سے مراد ”عبادت“ ہی لی جاسکتی ہے علاوہ ازیں دوسرا کوئی مطلب بھی اس ”صلوٰۃ“ کے ساتھ نہیں جوڑا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت زبان کے ساتھ بھی کی جاتی ہے، عمل کے ساتھ بھی کی جاتی ہے، عمل کے ساتھ ساتھ مال

کے ساتھ بھی اور اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی زبان بہت کچھ کہہ سکتی ہے اور کہتی ہے لیکن ہر کہی گئی بات عبادت نہیں ہوتی لیکن انسان کی جس کہی ہوئی بات پر ”عبادت“ کا لفظ اطلاق کرے گا وہ غیر اللہ کیلئے نہیں ہو سکتی۔ یہی بات مالی عبادت کے لیے لازم ہے کہ مال انسان اپنی زندگی میں بے شمار جگہوں پر استعمال کرتا ہے لیکن ہر جگہ استعمال ہونے والا مال ”عبادت“ نہیں کہلا سکتا اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا گیا مال ”عبادت“ کہلاتا ہے اور یہی حال بدنی عبادت کا بھی ہے۔ ”صلوٰۃ“ کا تعلق ”عبادت“ کے اس مجموعہ سے ہے اور یہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لیے اُس کا حکم سمجھ کر ادا کی جاتی ہے اور ادا کی جانی چاہیے۔

صلوٰۃ کے بنیادی ارکان

اس میں بنیادی طور پر قیام، رکوع اور سجدہ جیسے اہم رکن ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں اور علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر موجود ہے اس کی ترتیب جو اسلام میں مقرر و متعین ہے وہ صدر اول سے لے کر آج تک بدستور اسی طرح چلی آ رہی ہے جو ایک دوسرے سے بدستور منتقل ہوتی آ رہی ہے جس میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں اور بلاشبہ یہ چیزیں انسانی زندگی کے ساتھ اور خصوصاً ایک مسلمان کی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ قیام کے وقت قیام، رکوع کے وقت رکوع اور سجدہ کے وقت سجدہ ضروری قرار دیا گیا ہے جن کا تعلق انسانی زندگی کے ساتھ اس طرح قائم ہے جیسے جسم کے لیے جان۔

یہ وہی ”صلوٰۃ“، یعنی نماز ہے جس کے لیے وقت کی پابندی لازم قرار دی گئی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا وَعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مُّؤْتَوٰتًا ۝ (۱۰۳:۴) ”پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو چاہئے کہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو پھر جب ایسا ہو کہ دشمن سے تم مطمئن ہو جاؤ (اور سفر سے گھر واپس لوٹ آؤ) تو نماز قائم رکھو (قصر کرنا ترک کر دو) بلاشبہ نماز مسلمانوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض کر دی گئی ہے۔“

”صلوٰۃ“ معلوم ہوگی تو قصر کا پتہ چلے گا

خیال رہے کہ اس سے قبل سورہ النساء کی آیت ۱۰۱، ۱۰۲ میں فرمایا گیا تھا کہ ”اگر تم

سفر میں نکلے تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ اگر تم نماز میں قصر کرو خصوصاً اُس وقت جب تم کو اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں کسی بڑی مصیبت میں نہ ڈال دیں کیونکہ بلاشبہ کافر تمہارے کھلے کھلے دشمن ہیں (اور ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے ہیں) اور اے پیغمبر اسلام! جب آپ مسلمانوں میں موجود ہوں اور آپ ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ لوگوں (مجاہدین) کا ایک حصہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار لیے رہے پھر جب وہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے اور دوسرا حصہ جو نماز میں شریک نہ تھا آپ کے ساتھ شریک ہو جائے اور چاہئے کہ پوری ہوشیاری رکھے اور اپنے ہتھیار لیے رہے، جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم اپنے ہتھیار اور سامان جنگ سے ذرا بھی غفلت کرو تو وہ ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں اور اگر تمہیں برسات کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم مجبور ہو تو پھر تم پر کچھ گناہ نہیں اگر ہتھیار اتار کر رکھ دو، لیکن اپنے بچاؤ سے غافل نہ ہونا چاہئے، اللہ نے منکرین حق کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

نماز کتنی ضروری ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

اندازہ کریں کہ یہ موقت صلوة یعنی نماز کتنی ضروری ہے اگر عین میدان کارزار میں اس کا وقت آجائے تو اُس وقت بھی چاہے وہ قصر ہو جائے یعنی آدھی ادا کی جائے اس کو باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ جب تک آپ جماعت میں موجود رہے آپ خود اس کا اہتمام کرتے رہے اور جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے یا کسی میدان میں موجود نہ تھے تو قائد جماعت اس کی پابندی کرتے رہے اور آج بھی بدستور اسی طرح اس کی پابندی کا حکم موجود ہے۔

خواہ تو کون ہے، صلوة یعنی نماز کے انکار سے باز آ

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اتنی سخت پابندی کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز کے متعلق اس طرح کی بات کی جائے جس طرح کی بات ہمارے بھائی یعنی ”اہل اہواء“ کہتے ہیں اور جس صلوة یعنی نماز کے لیے وضو کا ہونا، جگہ، جسم اور لباس کا پاک و صاف ہونا وقت کا تعین لازم قرار دیا جانا سب باتیں قرآن کریم میں حکماً موجود ہیں پھر یہ بات بغیر کسی روک ٹوک کے کہی جائے کہ ”پیشانی زمین پر ٹیک کر پیچھا اونچا کر دینے والی نماز کا اسلام میں کوئی تصور نہیں“ کتنی لغو اور واہیات بات ہے جس کو خرافات کہا جاتا ہے اس پر

ہم اپنے ”اہل اہواء“ دوستوں سے یہی عرض کر سکتے ہیں اور وہ نہایت عاجزانہ طور پر عرض کرتے ہیں کہ۔

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

عرف عام میں نماز کیا ہے اور کیوں ہے؟

برادرِ من! نماز اتنی معروف اور واضح چیز ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت نماز ادا نہ کرنے کے باوجود اُس سے مکمل طور پر واقف ہے اور کوئی مسلمان شاید ہی ایسا ہوگا جو نماز نہ ادا کر کے خوش ہو کہ میں نے وقت ضائع نہیں کیا اور اس وقت میں نے اتنا وقت بچا کر جو نماز میں خرچ ہونا فلاں کام کی تکمیل کر لی ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ کتنا ہی بریاں دل گناہوں میں لت پت کیوں نہ ہو وہ نماز ادا نہ کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے غلط کیا ہے کہ نماز ادا نہیں کی۔ چاہے نماز ادا کرنے والے کردار کے لحاظ سے نماز ادا نہ کرنے والوں سے بھی گئے گزرے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے پھر بھی غیر نمازی ان کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اچھا کام کیا ہے اور ایک حد تک ان کا احترام کرتے ہیں۔

نماز ادا کرنے کے اوقات کا ذکر قرآن کریم میں

صدر اول میں جب ابھی قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور آپ قوم میں بنفس نفیس موجود تھے تو اس نماز کا عرف قائم تھا اور بڑے بڑے بچے بھی اس سے واقف تھے چنانچہ قرآن کریم نے جن اوقات میں ایک دوسرے کے ہاں آنا، جانا ممنوع قرار دیا ہے اُس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَصُومُونَ فَيَأْبُكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ط لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ط طَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (۵۹:۵۸:۴۳) اے ایمان والو! تمہارے باندی غلام اور وہ بچے جو سن بلوغ کو نہیں پہنچے انہیں تین وقتوں میں تم

سے اجازت لینی چاہئے فجر کی نماز سے قبل اور دوپہر میں (ظہر کے وقت) اور عشاء کی نماز کے بعد جب تم اپنے (بعض) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ تمہارے پاس اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو، اس طرح اللہ اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے اپنے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح ان سے پہلے دوسرے لوگ اجازت لیتے ہیں، اس طرح اللہ اپنے احکام صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔“

صلوٰۃ کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی سے

کیا اب بھی کوئی شک و شبہ باقی رہ گیا ہے کہ ”صلوٰۃ موقت“ ایک معروف چیز ہے جو روزمرہ زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس طرح ہر آدمی روزانہ کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہے اور یہ اس کی زندگی کا معمول ہے اور یہ سب کچھ اس کو خود بخود ہی فطری طور پر رہنے سہنے کے طریقوں سے معلوم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح وہ صلوٰۃ کے اوقات کے ادا کرنے کے طریقے سیکھ لیتا ہے زبان یعنی بولی جیسی مشکل ترین چیز سے وہ مکمل طور پر واقف ہو جاتا ہے اور مکمل طور پر اپنی زبان کی لغت کو وہ استعمال کرتا ہے چاہے اس کو اسم نکرہ اور معرف، اسم آلہ، اسم صوت، اسم تصغیر یا مصغر، اسم مکبر، اسم ظرف، ظرف زماں اور ظرف مکاں کا معلوم نہ ہو لیکن اپنی زبان میں وہ ان سب کا استعمال کرتا ہے چاہے وہ ماضی، حال اور مستقبل کے ناموں سے واقف نہ ہو لیکن وہ ان سب کو استعمال کرتا ہے۔ اس میں کسی صاحب علم و فکر کو کوئی اختلاف نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ بلا، کتا، گیدڑ اور بھینڑ کیا کیوں حرام ہیں لیکن وہ ان کے قریب بھی نہیں جاتا۔ زندگی کی بیسیوں سینکڑوں باتیں ہیں جن کو وہ باقاعدہ کسی استاد سے نہیں سیکھتا لیکن وہ اس کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اتنی باتیں انسان پڑھ کر نہیں سیکھتا جتنی بغیر پڑھے سیکھ لیتا ہے۔ صلوٰۃ کے جن اوقات کا ذکر اس جگہ کیا جا رہا ہے اور قرآن کریم کی آیات پیش کی جا رہی ہیں اکثریت اس ساری گفتگو سے ناواقف ہے لیکن ان پانچ اوقات سے کوئی ناواقف نہیں۔ یہی دوران لوگوں کو کھائے جا رہا ہے کہ تمام مسلمان مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے اور جوان، بوڑھے اس نماز کا ذکر کیوں کرتے ہیں جب کہ باقی قوموں میں بھی یہ سب کچھ موجود تھا لیکن آج ان میں سے ایک

چیز بھی یاد نہیں وہ کلہم ان سے ناواقف ہیں اسی طرح مسلمان ابھی تک باوجود نماز ادا نہ کرنے کے، روزہ ترک کرنے کے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے دولت کے ہوتے ہوئے بھی فریضہ حج ادا نہ کرنے کے ان ساری چیزوں کا نام آخر کیوں لیتے ہیں؟ دوسری قوموں میں یہ سب کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی وہ زندگی گزار رہی ہیں تو آخر مسلمانوں نے اس تصور سے کیوں گلو خلاصی نہیں کرائی وہ ایک مدت سے کراہ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام میں یہ تصور ختم ہو جائے۔

کاش کہ وہ حقیقت صلوٰۃ کو سمجھیں

کاش کہ! وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں اور جتنا زور ان باتوں پر وہ صرف کر رہے ہیں اس بات پر صرف کریں کہ مسلمانوں کے ہاں صلوٰۃ محض تصور کے طور پر ہی موجود نہ رہے بلکہ حقیقت میں صلوٰۃ ادا کی جانے لگے اور اس سے وہ کمی و کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کریں جو مسلمانوں میں در کر آئی ہیں تاکہ آخرت میں نہ ان کو پچتاوا ہو اور نہ دوسرے نماز نہ ادا کرنے والوں کو جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کو اس طرح کا پچتاوا ہو گا جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کو دوزخ میں کیا چیز لے آئی تو وہ بر ملا کہیں گے کہ:

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَحْوُ ضَمَعِ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ ۝ (۴۳: ۴۴ تا ۴۷)

”وہ کہیں گے کہ ہم نمازیں ادا نہیں کیا کرتے تھے اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم جزا سزا کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو اس یقینی بات سے سابقہ پیش آ گیا۔“

آخرت کا یقین کسی کے دل میں نہیں رہا

خیال رہے کہ اس وقت آخرت کا یقین دلوں سے اٹھ گیا ہے محض رسماً لوگ آخرت کا نام لیتے ہیں اور جن جاہل لوگوں کے دلوں میں کچھ اس کا تصور موجود ہے ان کو علمائے سوء نے ایسی طرف لگا دیا ہے کہ وہ اپنی آخرت کے متعلق اپنے ذہن میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ ہم اپنے پہلوں کی بخشش کا سامان کریں گے تاکہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے پچھلے ہماری بخشش کے لیے کچھ کریں اس لیے ان کو ایسے اعمال کی فکر بالکل نہیں رہی کہ نمازیں

انسان کی اس دنیوی زندگی کو درست کرنے اور سنوارنے کے لیے ادا کی جاتی ہیں، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے ہماری دنیوی زندگی پر کچھ اثر پڑتا ہے گویا انہوں نے ہر نیک کام کا تعلق محض آخرت سے جوڑ دیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ آخرت کا معاملہ تو مرنے کے بعد شروع ہوگا اور وہ جو آخرت میں چلے گئے ہیں ان کے لیے ہم ایسے کام کریں جو ان کی آخرت کو درست کر دیں گے اور ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد، در اولاد ہماری آخرت کے لیے ختم درود کرائے گی اور ہماری آخرت درست ہو جائے گی۔

دین اسلام کے ساتھ استہزاء کتنی بری بات ہے

مختصر یہ کہ اس وقت دین کی ہر بات کو ایک طرح کا مذاق اور ٹھٹھا بنا دیا ہے جس کا جی چاہتا ہے وہ دین اسلام کی بنیادوں کو اکھاڑنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ ایمان والوں کو اس طرح کی تعبیرات سے قرآن کریم نے واضح طور پر منع کیا ہے اور زور دے کر رد کیا ہے چنانچہ ارشادِ الہی ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الدِّينِ أُولَٰئِكَ إِلَىٰ كِتَابٍ مِّن قَبْلِكُمْ وَالْكَافِرَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُتُوبَهُ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُؤًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۵۸، ۵۷:۵) ”اے مسلمانو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے (اور اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں) تم انہیں اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اگر نہ الحقیقت تم ایمان رکھتے ہو، اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ اسے کھیل و تماشا بناتے ہیں اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں یہ ایک ایسا گروہ ہے جو (دین کی) سمجھ بوجھ سے یک قلم بے بہرہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق کون ہیں؟

قرآن کریم نے آگے چل کر واضح الفاظ میں ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایسا غضب ہے ان پر کہ یہ انسانی صفات سے عاری ہو چکے ہیں اندریں وجہ یہ انسان نہیں بلکہ بندر اور سور ہیں کیونکہ یہ ان کی صفات کو اپنا رہے ہیں اور شریقتوں کے پوجنے میں لگے ہوئے ہیں اور بعض جگہ فرمایا ہے کہ انہوں نے دراصل اپنی خواہشات کو اپنا معبود و الہ بنا لیا ہے لہذا ان سے جتنے دورہ

سکتے ہو رہو اس لیے کہ بری صحبت میں بیٹھنے سے انسان برا ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

”اے مسلمانو! تم پر فقط تمہاری اپنی جانوں کی ذمہ داری ہے، اگر تم سیدھے راستے پر قائم ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہ بتا دے گا کہ تمہارے کام کیسے کچھ رہے ہیں۔“ (۱۰۵:۵)

برادرِ من! دین اسلام کے ساتھ طرح طرح کا مذاق کیا جا رہا ہے اور اسلام کی بنیادوں کو خود مسلمان کہلانے والوں نے اس قدر کھوکھلا کر دیا ہے کہ اب ان کا اکھاڑ پھینکنا کچھ مشکل نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص ہاتھ سے سچے اور حقیقی مسلمانوں کی مدد فرمائے اور ان کو اسلام پر مضبوط بنا دے، قرآن کریم نے بطور پیش گوئی اپنے نزول کے وقت ہی یہ نصیحت فرمادی تھی کہ:

دین کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو تو کیا کرنا چاہئے؟

”(اے مسلمانو!) دیکھو، اللہ اپنی کتاب میں تمہارے لیے یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم دیکھو اور سنو کہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو جب تک ایسے لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں ان کے پاس نہ بیٹھو، اگر تم ان کے ساتھ ایسے حالات میں بھی بیٹھو گے تو تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے، بلاشبہ اللہ منافقوں اور منکرین حق سب کو جہنم میں اکٹھا کر دینے والا ہے۔“ (۱۴۰:۴) ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ اس طرح کے منافق لوگ کرتے کیا ہیں اور ہوتا کیا ہے؟ فرمایا:

منافقین کی نماز محض دکھاوا ہے

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مُذَبذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ (۱۴۳:۴، ۱۴۴:۴) ”منافق، اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اور (ان کو معلوم نہیں) اللہ نے ان کے دھوکا کو ضائع کر دیا ہے اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کالی اور نہ چاہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں، محض لوگوں کو دکھانے کے لیے (نماز جنازہ میں) شریک ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر برائے نام۔ یہ لوگ کفر اور ایمان کے درمیان متردد ہیں کہ ادھر

رہیں یا ادھر رہیں۔ نہ تو ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف اور جس پر اللہ اپنے قانون کے مطابق راہ گم کر دے تو پھر ممکن نہیں کہ تم ان کے لیے کوئی راہ نکال سکو۔“

مروجہ نماز کے ساتھ مسلمانوں نے کیا کیا؟

برادر من! اس نماز کے ساتھ مسلمان کہلانے والوں کے مختلف گروہوں نے مختلف طریقوں سے منہدم کرنے کی سعی و کوشش کی ان کا طریقہ واردات چاہے مختلف ہے مدعا سب کا ایک ہی ہے کہ یہ ارکان اسلام جو آج مسلمانوں میں تسلیم کیے جاتے ہیں تمام گزشتہ قوموں میں بھی تسلیم رہ چکے ہیں جس طرح گزشتہ قوموں نے ان سے دوری اختیار کی ہے اور آہستہ آہستہ اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ ان کے ناموں کی بھی ان کے ہاں شناخت نہیں رہی محض قرآن کریم ان کے متعلق بھی ان کے نام لیتا ہے لہذا قرآن کریم کے ان ناموں کا اگر مفہوم بدل دیا جائے تو مسلمانوں کی اکثریت جو پہلے ہی محض ان کے ناموں تک واقف ہے اور یہ نام تو ان کے ذہنوں سے قرآن کریم نکلنے بھی نہیں دے گا کیونکہ قرآن کریم سے ان کو نکالا نہیں جاسکتا لہذا انکا مفہوم بدل دیا جائے تو شاید ہم بھی دوسری اقوام عالم کی طرح ان سے گلو خلاصی کر سکیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ان میں سے بعض وہ ہیں جو صلوة کے اوقات میں اختلاف کر کے ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں کہ نمازیں صرف دو وقت کی ہیں ایک صبح اور ایک شام، بعض ان کی تعداد کو مان کر کہتے ہیں کہ یہ تہذکار اور وظائف جو صلوة میں پڑھے جاتے ہیں یہ غیر قرآنی ہیں لہذا ان کو قرآنی آیات سے بدل دیا جائے تو وہ اس کام میں مصروف ہیں اور بعض وہ ہیں جو نماز کی اس ہیئت کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ اس طرح جھکنے اور گرنے سے بیزار ہیں اور کہتے ہیں کہ ”صلوة“ کا یہ مفہوم مطلب ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو حکومت کی میٹنگوں اور مشوروں کا نام ہے اور علاوہ ازیں بھی بہت کچھ وہ کہتے رہتے ہیں اور اس نماز کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ جو کچھ آج یہ کر رہے ہیں کل ان سے پہلے دوسرے کرتے رہے ہیں، چنانچہ قرآن کریم بار بار کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس جب بھی کوئی حکم اللہ کی طرف سے آیا تو انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی، ان کو پہلے لوگوں کا مذاق یاد کروادو کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہی کچھ ان کے ساتھ بھی ہو جائے گا چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوا

بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ (۵۴:۶)

”اور ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں جو ان کے سامنے آتی ہو اور انہوں نے اس سے گردن نہ موڑی ہو۔ جب بھی کوئی سچائی ان کے پاس آئی تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا اور جس بات کی وہ ہنستی اڑاتے رہے عنقریب اس کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی۔“

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر گزشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور جگہ جگہ ان کے مذاق اور استہزاء کا ذکر فرمایا ہے اور اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ان نبیوں کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد ان کے ماننے والوں میں جو جو کمزوریاں پائی گئی ہیں ان میں سے ایک کمزوری ”صلوة“ سے انکار بھی تھا چنانچہ سورہ مریم میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:

صلوة موقت کو ضائع کرنے والے کون ہیں؟

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ۝ (۵۹:۱۹)

”پھر ان کے بعد ان کے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز جیسی ضروری چیز کھودی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے۔“

جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا گیا ہے کہ احکامات الہی کا مذاق اڑانے والے اور ان کو ٹھٹھے سے اڑانے والے اور ان کا کھلا انکار کرنے والے جب اس طرح کے خرافات میں مصروف ہوں تو ان سے دور ہو جانا اور ان کی مجلس سے اُٹھ جانا بھی اس بات کا علاج ہے کہ وہ شرم کھائیں اور کم از کم آپ کی موجودگی میں وہ ایسی حرکات سے باز آ جائیں آپ اپنا کام کرتے رہیں یعنی ان کو قرآن سناتے رہیں اور ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں بلکہ اعراض کر جائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

نماز موقت سے انکار شرک ہے

فَأَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ (۹۵:۱۵)

”(اے پیغمبر اسلام!) جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے لوگوں پر آشکارا کرو اور مشرکوں کی کچھ پروا نہ کرو، ان ہنسی اڑانے والوں کے لیے ہم تمہاری طرف سے بس

کرتے ہیں۔“

قارئین کرام! کہہ سکتے ہیں کہ اوپر آیت میں ”المشركين“ شرک کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بات ”صلوٰۃ“ یعنی نماز کی ہو رہی ہے پھر ”صلوٰۃ“ کا شرک کے ساتھ کیا جوڑ ہے، کیا یہ کھلی تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآن صلوٰۃ کے انکار کو شرک سے تعبیر کرتا ہے

التماس ہے کہ آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں، قرآن کریم نے ”صلوٰۃ“ یعنی نماز کو ادا نہ کرنے والوں اور دین میں تفریق پیدا کرنے والوں کو بھی ”مشرك“ قرار دیا ہے، کیونکہ یہ لوگ بھی اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر جگہ ان کا ذکر ”اہل اہواء“ کے نام سے کرتے آ رہے ہیں۔ جو لوگ تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور اللہ رب کریم کی طرف رجوع نہیں کرتے وہ وہی ہیں جو نمازوں کو ادا نہیں کرتے اور دین میں تفریق کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس طرح دوسرے شرک میں مبتلا ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا سَبْعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (۳۲:۳۱-۳۰) ”لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے مت ہو جاؤ، جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے اور ہر فرقہ اور گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔“

نماز میں کون سے ارکان ہیں، کسی سے مخفی نہیں

اسلام کی اس مروجہ نماز میں اصولی طور پر جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے پوری دنیا کے انسان جو مسلمان کہلاتے ہیں اور جب بھی نماز کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اس خاص ایک جہت کو منہ کر کے کھڑے ہونے کو جب نماز کی پہلی شرائط وہ پوری کر چکے ہوں یعنی طہارت کی تو کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو ”قیام“ کہا جاتا ہے اور قیام میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اس کے بعد جھک جاتے ہیں اور جھکنے کو ”رکوع“ کا نام دیا جاتا ہے اور رکوع کی ادعیہ کے بعد جب کھڑے ہوتے ہیں یعنی ”قیام“ دوبارہ شروع ہو جاتا ہے اور اس

”قیام“ کے بعد سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اس حالت کو ”سجدہ“ ہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ان مخصوص حالتوں کا ذکر موجود ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ ہے۔

ارکان نماز کا ذکر قرآن کریم میں

فرد واحد کے ”قیام“ کا بھی ذکر ہے اور پوری جماعت کے ”قیام“ کا بھی اور یہی بات دوسرے ارکان صلوٰۃ کے لیے متعلق بھی ہے ”اہل اہواء“ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تھا لیکن خواہش انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ اندھے کو کچھ نظر نہیں آتا ظاہری آنکھوں کے اندھوں کو لوگ دیکھتے ہیں اس لیے وہ تو اپنے اندھے پن کو مان جاتے ہیں لیکن دل کے اندھے چونکہ ظاہری آنکھیں رکھتے ہیں اور ان سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے بھی ہیں لیکن دل اندھے ہونے کے باعث جس طرح دیکھنا چاہئے وہ نہیں دیکھ سکتے اور اس کے باوجود وہ اپنے اندھے پن کو تسلیم بھی نہیں کرتے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَسَانَهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ (۲۴:۲۶) ”کیا یہ لوگ زمین (ملاکوں) میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے تو سمجھتے بوجھتے، کان ہوتے تو سنتے اور پاتے، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔“

فرد واحد کی نماز کی طرف اشارات

بات ہو رہی تھی ارکان نماز کی کہ قرآن کریم میں ان ارکان کے وہ اشارات نہایت واضح صورت میں موجود ہیں جیسے باقی تمام چیزوں کے اصول و ارکان قرآن کریم میں موجود ہیں جیسے کھانا، پینا، اوڑھنا، بچھونا، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا اور آنا جانا اور زندگی کے تمام دوسرے معمولات اور ان کے حسن و قبائح اور احکامات و منہیات چنانچہ انفرادی ”قیام“ کا ذکر اس طرح ہے کہ:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ (۲۲:۱۹، ۲۰) ”اور جب اللہ کا بندہ اُسے یعنی اللہ کو پکارنے

کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اُس پر ٹوت پڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ (اے پیغمبر اسلام!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔“

جماعت سے مل کر نماز ادا کرنے کے آداب و احکام

اجتماعی طور پر یعنی جماعت سے صلوة کے ادا کرنے کا ذکر جمع کے صیغہ سے بھی فرمایا گیا مثلاً ارشاد ہے کہ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ (۶:۵) ”جب تم سب نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو“ تو وضو کر لیا کرو اور پھر وضو کے ارکان کا ذکر بھی فرمایا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ معروف وضو سے پہلے اگر فرض غسل کی ضرورت ہو تو اُس کو بھی مکمل کرنے کی ہدایت فرما دی اور قبلہ کی سمت کا ذکر اور لباس کا بیان بھی واضح الفاظ میں کر دیا جیسا کہ پیچھے بھی اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ قیام کے بعد اسلام کی مروجہ صلوة میں ”رکوع“ کیا جاتا ہے اور اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے آنکھوں والے دیکھتے ہیں اور جن کے دن اندھے نہیں وہ اس کو اچھی سمجھتے بھی ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

وَاقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (۲۴:۲) ”نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو۔“

آیت میں صلوة، زکوٰۃ اور رکوع کا ذکر ہے اس لیے ”اہل اہوا“ نے اس رکوع کو صلوة کا رکن تسلیم کرنے کی بجائے کوئی اور چیز سمجھ لیا اور جھکنے سے مراد وہ ”متعارف رکوع“ کے علاوہ اپنی خواہش کا رکوع مراد لے لیا، اس طرح ارجاف سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو اصل نماز کی پٹری سے اتارنے کی ناکام کوشش کی اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ جہاں رکوع کے ساتھ معاً سجدہ کا ذکر ہے وہاں کیا مراد ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا فَيَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ قف (۲۹:۲۸) ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں بہت سخت ہیں آپس میں بہت رحم دل ہیں تو دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہوتے ہیں اور کبھی سجدہ میں وہ

اللہ سے اس کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں ان کی یہ علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدہ کا اثر ہے۔ ان کی اس تعریف کی مثال تورات میں موجود ہے اور انجیل میں بھی۔“

ارکان نماز میں قیام کے بعد رکوع اور سجود کا ذکر

علاوہ ازیں بھی قرآن کریم میں اسلام کی اس مروجہ نماز کے رکوع کا ذکر موجود ہے اور جیسا کہ رکوع کے بعد سجدہ کا ذکر اوپر کی آیت میں یکساں ایک جگہ ایک ساتھ موجود ہے دوسرے مقامات پر بھی ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَمِنَ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ط لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ آيَاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (۲۱:۳۷) ”اور اس کی نشانیوں میں سے رات، دن، چاند اور سورج ہیں پس تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو اور خاص اُس کی عبادت کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم واقعی اللہ کے عبادت گزار ہو۔“

واضح ہو گیا کہ ”سجدہ“ عبادت کا ایک اہم رکن ہے لہذا سجدہ صرف اور صرف اللہ رب کریم کی ذات کے لیے خاص ہے اور سجدہ کیا ہے؟ اللہ رب کریم کے سامنے زمین پر پیشانی کا رکھ دینا اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اقرار کرنا اور معافی طلب کرنا۔

سجدہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے ایک سے زیادہ معنی ہیں

”سجدہ“ بھی چونکہ عربی زبان کا لفظ ہے اور جس طرح عربی میں ایک لفظ کے بہت سے معانی کیے جاتے ہیں ”سجدہ“ کے بھی کیے جاتے ہیں اور ان ہی معنوں میں ایک معنی اس ”متعارف سجدہ“ کے بھی ہیں جو عملاً نماز کے اندر رہ کر کیا جاتا ہے اور صلوة یعنی نماز کا ایک اہم رکن ہے جو متعارف ہے کیونکہ تمام اقوام عالم میں ادا کیا جاتا آیا ہے اور مسلمانوں میں بھی اس کو متعارف نماز کا اہم رکن سمجھا جاتا ہے جس میں کسی کو بھی کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں۔

”اہل اہوا“ اپنی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں

”اہل اہوا“ چونکہ اس متعارف نماز کی ہیئت سے انکاری ہیں لہذا نماز کے ارکان کو وہ کیونکر تسلیم کریں گے لیکن خیال رکھنا چاہئے کہ اگر اس طرف مطلب و مفہوم بگاڑا گیا تو

کوئی شخص بھی ”ام“ سے ماں، ”ولد“ سے اولاد اور ”والد“ سے باپ اور ”انسان“ سے شخص یعنی انسان ثابت نہیں کر سکے گا اور ”اہل ابواء“ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح وہ ان تمام رشتوں اور انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور ان کو تسلیم کرنا پڑے گا وہ ان تمام رشتہ داریوں کے علاوہ نہ معلوم کس جنس سے تعلق رکھنے والے ہیں جو انسانوں میں محض شکل و صورت کے لحاظ سے مل گئے ہیں جو ان کی ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے اور یہ لایعنی مخلوق نسل آدم سے تعلق نہیں رکھتی، کیوں؟ اس لیے کہ یہ ”عرف عام“ کو تسلیم نہیں کرتے اور دلائل کے طور پر اپنی شخصیت کو ثابت نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے۔

معروف نماز کے ادا کرنے کا طریقہ قرآن کریم میں

اب رہا ”متعارف صلوة“ کے ادا کرنے کا طریقہ تو اُس کے متعلق بھی قرآن کریم خاموش نہیں بلکہ جس طرح کے اصول قرآن کریم دوسری باتوں کے لیے پیش کرتا ہے صلوة ادا کرنے کے متعلق بھی وہ ہدایت دیتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا اِنَّ الدِّيْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قِبَلِهٖ اِذَا يُنٰتَلٰی عَلَيْهِمْ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَجِدُوْا لِرَبِّكُمْ وَتَذَكَّرُوْا لِمَا كُنْتُمْ عَلَّمْتُمْ ۝۱۷۰ (۱۱۰ تا ۱۷۰)

”ان لوگوں سے کہہ دو تم قرآن کو مانو یا نہ مانو لیکن جن لوگوں کو سچھلی کتابوں کا علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو وہ بے اختیار ٹھوڑیوں کے بل سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لیے پاکیزگی ہو، بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ اس لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔ وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور ان کی آنکھیں آشکبار ہو جاتی ہیں اور کلام حق کی سماعت ان کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ہے۔ (اے پیغمبر اسلام!) کہہ دیجئے تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس نام سے پکارو اس کے سارے نام حسن و خوبی کے نام ہیں اور تو جب نماز میں مشغول ہو تو نہ تو چلا چلا کر (زور سے) پڑھو نہ بالکل چپکے چپکے چاہیے کہ درمیان کی راہ اختیار کی جائے۔“

اس کا مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تو نماز ادا کرنے کے لیے علیحدہ ہونے اور چھپنے

کا ارادہ بھی مت کر کہ کوئی دیکھ نہ لے اور ایسا خیال بھی نہ کر کہ مجھے نماز ادا کرتے ہوئے ضرور لوگ دیکھیں اور لوگوں پر میری یہ حالت ظاہر ہو۔ پہلی صورت سے معلوم ہوگا کہ تو لوگوں سے خوف کھاتا اور ڈرتا ہے اور دوسری صورت سے ریا کاری ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے دونوں باتوں کا خیال رکھنا اور ان سے بچنا ضروری ہوا۔

صاحب علم وہی ہو سکتے ہیں جو علم و فکر کی بات کریں

مذکورہ آیت سے واضح ہو گیا کہ صاحب علم جو پہلی کتابوں کا علم بھی دیئے گئے ہیں ان کے سامنے جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے اور وہ اس تلاوت کو سنتے ہیں تو بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر جاتے ہیں اور ان کی پکار اپنے رب کی تحمید و تعریف اور پاکیزگی بیان کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتی اور ان کے دل اس بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ وہی کلام ہے جس کا وعدہ گزشتہ کتابوں میں یعنی تورات اور انجیل وغیرہ میں دیا گیا ہے اور جب کلام وہ ہے تو ظاہر ہے کہ جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے وہ بھی گزشتہ کتابوں کی تعلیم کے مطابق وہی آخری نبی و رسول ہے، ان کی اس تصدیق کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کبھی سجدوں میں گرتے ہیں اور کبھی اتنے بے اختیار ہو جاتے ہیں کہ آخرت کے خوف سے اُن کی آپہنکتی ہیں وہ صرف ڈبڈبا ہی نہیں جاتے بلکہ اُن کی آپہنکتیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ان کا ڈر اور خوف دو بالا ہو جاتا ہے اور ان کی آنکھیں صرف نم نہیں ہوتیں بلکہ چھم چھم برسنے لگتی ہیں۔

اعتراض کرنے والوں کی اصل حقیقت اور وہم

پھر آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو جو ”اللہ“ کے متعارف نام کے سوا کسی اور نام سے تعارف نہیں رکھتے اور طرح طرح کے اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ ”اللہ“ کا صرف ایک ہی نام یعنی ”اللہ“ نہیں بلکہ علاوہ ازیں بھی وہ بہت سے دوسرے صفاتی ناموں سے پکارا اور جانا جاتا ہے جس نام سے بھی آپ ”اللہ“ کو پکاریں گے وہ تمام صفاتی ناموں سے بھی پکارے جانے کے لائق ہے اُس کے تمام نام ہی اچھے ہیں جو بے سمجھ، اس طرح کے اعتراض کرے آپ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔

رہا تیری صلوة ادا کرنے کا معاملہ تو اس سلسلہ میں یہ ہدایت یاد رکھیں کہ اس کا کچھ حصہ جبر کر لیں اور کچھ خفی تا کہ آپ درمیانی راہ پر گامزن نظر آئیں اس لیے کہ جس کے

سامنے آپ حاضر ہیں وہ جبر اور خفی دونوں طریقوں سے یکساں ایک جیسا واقف ہے البتہ جبر سے تیرے ساتھ مل کر نماز ادا کرنے والے بھی آپ کی طرف متوجہ رہیں گے اور ان کی توجہ کبھی اس کتاب اللہ پر ہوگی جس کی آپ تلاوت کرتے ہیں اور کبھی اپنی اوجیہ اور اپنی طلب پر جس کو وہ اپنے رب اپنے اللہ، اپنے رحمن سے طلب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ساری ستائشیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ تو اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی فرما زوائی میں کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اس کی در ماندگی کی وجہ سے اس کا مددگار ہو، اس کی بڑائی اور بزرگی کی پکار بلند کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہی اس بڑائی کا بلا شریک غیرے مستحق ہے۔

قرآن کریم لفظوں کی طرف نہیں بلکہ معنوں کی طرف اشارہ دیتا ہے
مروجہ صلوٰۃ یعنی نماز کے ادا کرنے کا طریقہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا اور دنیا میں جو اختلاف رونما ہوتے ہیں ان کا بھی ساتھ ساتھ قلع قمع کر دیا گیا بشرطیکہ کوئی سمجھنے کے لیے تیار ہو۔ افسوس کہ قرآن کریم جس طرح کے اشارات دیتا ہے لوگوں کی نظر اُس طرف نہیں جاتی بلکہ ایسی بحث و تجویس کی طرف جاتی ہے جس کو بے لذت گناہ ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ، صورت کے اختلافات ہیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا بلکہ اکثر لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت سب کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ یہ ساری لڑائی محض لفظ کی لڑائی ہے، معنی کی لڑائی نہیں ہے مولانا رومی نے چار دوستوں کی نزاع کا قصہ سنایا ہے جن میں ہر شخص انگور کا خواہش مند تھا، لیکن چونکہ ایک آدمی ”عنب“ کہتا تھا دوسرا ”تاک“ تیسرا ”انگور“ اور چوتھا (Grape) اور اس لیے تلواریں نیام سے نکل آئی تھیں۔

اگر انسان صرف اتنی بات پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے، ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں، کا حکم ایسا ہو۔

اوپر مثال سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے اگر کوئی سمجھنا چاہے

اس آیت اور اس جیسی بہت سی دوسری آیات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے

کہ مشرکین عرب ”اللہ“ کے لفظ سے آشنا تھے۔ کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لیے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رہا ہے لیکن وہ دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن کریم نے اس کی صفتوں کے لیے اعلان کیا ہے مثلاً ”الرحمن“ کا لفظ بولا جاتا تھا، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسے ”اللہ“ کے لیے بولنا چاہیے پس جب ایسے اسماء وہ سنتے تو متعجب ہوتے اور طرح طرح کے اعتراض کرتے۔ قرآن کریم کہتا ہے تم اُسے ”اللہ“ کہہ کر پکارو دیا ”الرحمن“ کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو، پکار اُس کے لیے ہے اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جاتی۔ اُس کا نام ایک ہی نہیں، اُس کے بہت سے نام ہیں لیکن جتنے نام ہیں، حسن و خوبی کے نام ہیں کیونکہ وہ سر تا سر حسن و کمال اور کبریائی و جلال ہے۔ تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہارا مقصود و مطلوب وہی ہونا چاہیے۔

عبادتنا شتی و حسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

یہ بات تسلیم ہے کہ ”صلوٰۃ“ ذکر ہے، ”صلوٰۃ“ دُعا ہے اور علاوہ ازیں بھی بہت کچھ ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات بھی تسلیم ہے کہ ”صلوٰۃ“ ایک مخصوص طریقہ عبادت ہے جس کو اردو زبان میں نماز کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے جس میں قیام ہے رکوع ہے اور سجدہ جیسے وہ ارکان ہیں جو ایک خاص اور متعارف ہیئت کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ جن کی وضاحت ہم نبی اعظم و آخراطین ﷺ کے دور اقدس سے لے کر آج تک بدستور پشت در پشت سنتے اور دیکھتے چلے آ رہے ہیں جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق بہت سی باتیں سنتے اور دیکھتے چلے آ رہے ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی انکار نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔

قارئین سے التماس کہ وہ بات کو سمجھیں

قارئین محسوس نہ کریں کہ ہم اس جگہ کسی مقام پر ”حدیث“ یا ”روایت“ سے کوئی ثبوت یاد کر نہیں کر رہے کیونکہ ”اہل اہواء“ ان ناموں سے الرجک (Alergic) ہیں اور ان کا نام سننا بھی وہ گوارا نہیں کرتے لہذا ہم ان کو یہ نام پیش کر کے جزبہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ جب وہ قرآن، قرآن کا نام لیتے ہیں تو اُن کے سامنے صرف قرآن ہی کے نام سے پیش کریں جو کچھ پیش کریں تاکہ تمام قارئین پر واضح ہو

جائے کہ وہ قرآن کا جو نام لیتے ہیں محض مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے لیتے ہیں ان کے دل میں قرآن کی پیروی کرنا مقصود نہیں بلکہ خواہش نفس کو پورا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کو ”اہل اہواء“ کے نام سے موسوم کر رہے ہیں اور مدت سے کرتے آرہے ہیں، معلوم نہیں ہمارے دوستوں اور بزرگوں نے ان کو ”اہل قرآن“ کا نام کیوں دیا ہے؟

قرآن کریم نے اس صلوة کا ذکر کیا ہے جو متعارف ہے

اگر قرآن کریم کو وہ فی الحقیقت تسلیم کرتے تو مسلمانوں کی اس موقت اور مروجہ صلوة سے انکار نہ کرتے بلکہ وہ خود اس ”صلوة“ کو قرآن کریم کے حکم کے مطابق ادا کرنے کا اشارہ قرآن کریم نے دیا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ ہماری ”صلوة“ میں کیا کیا کوتاہیاں ہیں جس کے باعث ہماری ”صلوة“ وہ نتیجہ پیش نہیں کر رہی جو اس کو پیش کرنا چاہیے۔ اگر اس طرح کی کوئی کوشش کرتے اور لوگ دیکھتے کہ واقعی ”صلوة“ کو اس طرح نہیں ادا کرنا چاہیے بلکہ اس طرح ادا کرنا چاہیے جیسے ”اہل قرآن“ کہہ رہے ہیں تو ان کو ”اہل اہواء“ نہ کہا جاتا۔

صلوة کی حقیقی روح پہلے ہی ختم ہو چکی ہے

کیا ”صلوة“ صرف باتیں کرنے اور آزادی کے ساتھ قرآن کریم کی بتائی اور سمجھائی ہوئی ”صلوة“ کو غلط کہہ دینے کا نام ہے؟ کیا ”صلوة“ عملی چیز نہیں؟ اگر عملی چیز ہے تو اس کی تصدیق یا تردید عملاً چاہئے تھی تاکہ اس عمل کو دیکھ کر سب حقیقت کو سمجھ جاتے۔ اس وقت مسلمانوں نے صرف ”صلوة“ کے ظاہری طریقہ یعنی اس کی ہیئت اور نام کو باقی رکھا ہوا ہے اور بوجہ صاحب اور ان کے اہل زبان نے ارادہ کیا ہے کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے تاکہ کسی وقت دوبارہ اس کی حقیقت کو زندہ نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کارگاہ ہستی میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ کبھی کوئی قوم اپنی بیماری کے باعث اٹھ کر کھڑی ہونے کے قابل نہیں رہتی لیکن پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت مند کر دیتا ہے اور وہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے مسلمان قوم اس وقت عملاً یقیناً بیمار ہے اور ایسی بیمار ہے کہ شاید ایسی بیماری اس کو پہلے کبھی لاحق نہیں ہوئی ہوگی اس لیے بعض لوگوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اس کے دوبارہ صحت مند ہونے کا خدشہ کھل طور پر ختم ہو جائے۔

مروجہ موقت صلوة اسلام کی معاشرتی زندگی کا حسن ہے

جب مسجدوں میں ”صلوة“ صحیح معنوں میں ادا ہوتی تھی تو لاریب قوم مسلم زندہ تھی اور اس زندگی کو سب تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خود نبی اعظم و آخر کے دور کے منافقین نے تجویز کیا کہ ”مسجد قبا“ کے مقابلہ میں ایک نئی مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ انہوں نے یہ کام ”مسجد“ ہی کے نام سے کر دکھایا اور قرآن کریم نے بھی اس کو ”مسجد“ ہی کے نام سے ذکر کیا چاہے اس کا ”مسجد ضرار“ نام رکھا۔ کیونکہ وہ سچے اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی اور انجام کار اس کو اللہ رب کریم کے حکم سے منہدم کر دیا گیا جیسا کہ اس کا ذکر پیچھے اس مضمون میں بھی گزر چکا ہے۔ صلوة اگر اسلام کی معاشرتی زندگی کا حسن نہ ہوتا تو منافقین مدینہ کبھی نئی مسجد کا نہ سوچتے اور اگر اس صلوة کا اصل تعلق ”مسجد“ سے نہ ہوتا تو وہ ”مسجد“ کے نام سے اتنی بڑی عمارت کیوں بناتے؟

حالاتِ زمانہ کا تغیر و تبدل ایک فطری عمل ہے

جس طرح زمانہ اپنے رنگ بدلتا رہتا ہے اور رنگ بدلنے سے مراد حالات کی تبدیلی ہوتی ہے لہذا حالات کے ساتھ ساتھ لوگوں کا طریق کار بھی بدل جاتا ہے آپ کے دور اقدس میں صلوة وقت ظاہری علامت تھی اسلام کی، کوئی مسلمان تب ہی مسلمان تصور ہوتا تھا جب وہ صلوة جیسی عبادت میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتا تھا لہذا اس وقت کے منافقین کو بھی اسلام کی اس ظاہری علامت میں شریک ہونا پڑتا تھا چاہے ان کا دل اس کو عبادت تسلیم کرتا تھا یا نہیں کرتا تھا لہذا وہ مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں حاضری دیتے تھے۔ اس وقت زمانہ کے حالات بدل چکے ہیں اور ”نماز“ باقاعدہ ادا نہیں کی جاتی صرف اس کا نام لیا جاتا ہے اندریں وجہ اس سے انکار کر دینا اور اس کے نام کو بگاڑنا اس کی ہیئت پر اعتراض اٹھانا آسان ہو گیا ہے اور یہ لوگ اس طرح کی حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں خصوصاً برصغیر کے ان ملکوں میں جہاں ہم رہ رہے ہیں کیونکہ ان ملکوں میں نظام مساجد کسی بھی حکومت کے زیر اثر نہیں رہا اور نماز دین کا جزو نہیں بلکہ ایک رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے اور ”مسجدیں“ صرف نماز ادا کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان رسوم کی ادائیگی کے لیے متصور ہوتی ہیں جن رسوم کو اسلام کی رسمیں تصور کر لیا گیا ہے چاہے ان رسوم کا تعلق اسلام سے نہیں۔ چونکہ مسجدوں کا انتظام لوگوں کے ہاتھ میں ہے حکومت ان سے

بے نیاز ہو چکی ہے اور جو لوگ مساجد کا نظام چلا رہے ہیں ان کی آمدنی کا کوئی معقول انتظام نہیں اس لیے انہوں نے ان رسومات کو مساجد کے ساتھ جوڑ دیا ہے تاکہ ان کی معیشت کا انتظام چلتا رہے، گویا مساجد اللہ کی عبادت کے لیے نہیں بلکہ ان کا انتظام چلانے والوں کی معیشت کو بحال رکھنے کا کام دیتی ہیں اور یہ ایک طرح کا کاروبار بن کر رہ گئی ہیں پھر ظاہر ہے کہ جو انسان بھی کوئی کاروبار کرتا ہے اس میں اضافہ کے متعلق سوچتا ہے اس کو بند کر دینے کی سوچ وہ کیسے سوچ سکتا ہے؟ ان حالات کے پیش نظر منکرین صلوٰۃ یعنی ”اہل اہواء“ نے یہ کچھ کہنا اور کرنا شروع کر دیا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں گویا زمانہ کے حالات کے ساتھ انہوں نے بھی اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔

لاریب کفر بری چیز ہے لیکن اتنی بری نہیں جتنی منافقت

قرآن کریم نے ”کفر“ کی طرح ”نفاق“ کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال و خصائل کی زیادہ تفصیل سورہ التوبہ میں ملتی ہے اگر تفصیل دیکھنا چاہیں تو ہماری تفسیر القرآن ”عروۃ الوثقی“ سے سورہ التوبہ کی تفسیر کو ملاحظہ کریں اور علاوہ ازیں سورہ آل عمران، النساء، الانفال، الاحزاب، محمد، فتح، الحدید، المجادلہ اور الحشر کا مطالعہ بھی مفید ہوگا نیز اس سلسلہ میں ہمارا کتابچہ ”نفاق کیا ہے؟“ بھی ان شاء اللہ عنقریب طبع ہوگا۔ اس وقت صرف اتنی بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت ہوتی تھی اور ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کفر و عمل کا کوئی گوشہ ہو تین طرح کے لوگ ضرور ہوتے ہیں۔

تمام انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یا کیا جاسکتا ہے؟

مستعد اور صالح لوگ جو ہر اچھی بات کو پہچان لیتے ہیں اور قبول کر لیتے ہیں اور پھر

سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔

مفسد لوگ جن کو ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے کوئی سیدھی بات ان کے اندر نہیں اترتی۔ درمیانی گروہ کے لوگ جو ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن فی الحقیقت ان کے اندر تیاری نہیں ہوتی وہ قدم اٹھاتے ہیں لیکن چلنا نہیں چاہتے اور اگر چلتے بھی ہیں تو وہ قدم اٹھاتے ہی لڑکھڑا جاتے ہیں کیونکہ ان میں پہلے گروہ جیسی مستعدی نہیں ہوتی اور نہ دوسرے گروہ کے لوگوں جیسی بے باکی اور جرأت ہوتی ہے بلکہ وہ

دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے اس طرح اشارہ دیا ہے کہ: مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (۱۴۳:۴) ”یہ وہ لوگ ہیں جو کفر اور ایمان کے درمیان متردد کھڑے ہیں کہ ادھر رہیں یا ادھر نہ تو ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف۔“

ان کے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ نہایت صاف اور واضح ہے ”اہل اہواء“ تسلیم کریں یا نہ کریں، حق اس بات کا محتاج نہیں کہ کون اُس کو قبول کرتا ہے اور کون رد کر دیتا ہے، قرآن کریم اپنے فیصلہ کا اعلان اس طرح کرتا ہے کہ:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ صٰبِرِيۡنَ (۱۴۵:۴) ”بلاشبہ منافقوں کے لیے یہی ہونا ہے کہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ڈالے جائیں اور کوئی نہیں جو ان کا رفیق و مددگار ہو۔“

انسانوں کے ان تینوں گروہوں کا مختصر تجزیہ

قرآن کریم کہتا ہے کہ جزم و عزم اور یقین و ایمان پہلے گروہ کا خاصا ہے۔ انکار و حجو دوسرے کا اور شک و تذبذب اور بے عملی و قتل تیسرے کا آپ سمجھ لیں کہ بعینہ یہی حال ایمان و عمل کے دائرے کا بھی ہے یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں۔ مستعد طبیعتیں قبول کر لیتی ہیں اور چل کھڑی ہوتی ہیں، یہ مومن ہیں، مفسد انکار کرتے اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں، یہ کافر ہیں، کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی، یہ منافق ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی طرح دین اسلام کے ماننے والوں نے بھی ”غلو“ سے کام لیا ہے اور ”غلو“ کی بھی بہت سی اقسام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ منافقت اور غلو کا چولی دامن کا ساتھ ہے جہاں دیکھو کہ لوگ اللہ کے دین کا نام تو بہت لیتے ہیں لیکن دین کے ہر کام پر دل کھول کر تنقید کرتے ہیں اور ایک ایک چیز پر ایسی بحث پیدا کرتے ہیں کہ لوگ اس سے بدظن ہو کر اس کے قریب نہ جائیں اور جو بد عملی ان میں پھیل چکی ہے اُس کو مزید تقویت حاصل ہو تو ان کے اس طرز عمل سے جہاں تک ممکن ہو دور رہیں اور جہاں تک ہو سکے اللہ کے حضور کھڑے ہوں اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے اُس سے معافی طلب کریں۔